مرد مع اللہ ہے کے کیف دار

جس رُخ زمانہ پھرے اُسی رُخ پھر جاؤ

دیوانِ حالی

مصنفہ

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی مرحوم

جسمیں قطعات۔ غزلیات قصیدے مرثیے ترکیب بند
رباعیاں۔ تاریخیں۔ اور متفرق اشعار شامل ہیں

حسب فرمائش ہوا

باہتمام

انوار الم ... لکھو میں طبع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقیقت حال

الناظر بک ایجنسی کی طرف سے دو سال سے زائد عرصہ گذرا جب مشفقی مولوی عبد الحق صاحب
سکرٹری انجمن ترقی اُردو سے اجازت لیکر دیوان حالی کا دوسرا ایڈیشن شایع کیا گیا
تھا۔ اس وقت عجلت کی وجہ سے جہان کتابت و طباعت مین بعض نقائص
رہ گئے تھے وہین کتاب بھی زیادہ تعداد مین نہین چھپوائی جاسکی۔ خیال تھا کہ
فوری ضرورت کے رفع ہوجانے کے بعد انجمن کی طرف سے بہتر سامان و انتظام
کے ساتھ جو جدید ایڈیشن نکلے گا اُس سے قدر دان شائقین کی تشفی ہوجائے گی
لیکن انجمن کے ایڈیشن کے لیے ابھی مزید انتظار کی حاجت ہے اور طبع ثانی کے
نسخے قریب قریب ختم ہوچکے۔ اس لیے یہ تیسرا ایڈیشن جدید اجازت نامہ کی بنا پر
شایع کیا جاتا ہے۔

اس ایڈیشن کی طباعت کا کام میری اسیری کے زمانہ مین ہوا۔ اس لیے
...س ہے کہ کاغذ وغیرہ کا بہتر انتظام اب بھی نہو سکا۔ البتہ کتابت کے وہ نقائص
حتی الامکان رفع کردیے گئے جو سابقہ ایڈیشن مین محض طبع اوّل کے نسخہ کی
مجبورانہ تقلید کے باعث رہ گئے تھے۔

اب کاغذ کا نرخ ارزان ہو رہا ہے اس لیے امید کی جاسکتی ہے کہ آئندہ ایڈیشن
کے وقت انشاء اللہ بہتر ساز و سامان نظر آئے گا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

لکھنؤ۔ ۱۵۔ اگست ۱۹۲۲ء

خاکسار
ظفر الملک علوی

گذارشِ واقعی

مولانا حالی مرحوم کو جدید دورِ شاعری میں جو منزلت حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں لیکن کس قدر افسوسناک اور قابلِ غیرت و ندامت یہ امر ہے کہ مولانا حالی کا دیوان جو ۱۸۹۳ء میں چھپا تھا اس کا دوسرا ایڈیشن آج تک ملک کے سامنے پیش نہیں کیا گیا، حالانکہ اُن کی زندگی ہی میں دیوان کے تقریباً سب نسخے فروخت ہو چکے تھے اور حُسنِ قبول کا سہرا اُن کے سر بندھ چکا تھا۔ حُسنِ قبول کا اندازہ کسی قدر اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ علاوہ مسدس حالی کے جو دیوانِ حالی کا کوئی جزو نہیں؛ مجموعۂ نظمِ حالی، رباعیاتِ حالی قطعاتِ حالی اور متفرق نظمیں علٰحدہ علٰحدہ شایع ہو کر فروخت ہو رہی ہیں اور اُن میں سے اکثر حصے کئی کئی بار اور مختلف مطابع میں طبع ہوئے ہیں۔

ورثاء حالی کو باوجودیکہ متعدد بار توجہ دلائی گئی لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے قطعاً التفات نہ کی۔ غنیمت ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو کی تحریک پر بالآخر مولانا حالی کے خلف و جانشین خواجہ سجاد حسین صاحب نے انجمن ترقی اُردو کی طرف سے دیوانِ حالی کی اشاعت منظور کی۔ اور انجمن کی طرف سے انشاء اللہ دیوانِ حالی خاص اہتمام کے ساتھ شایع کیا جائیگا۔

الناظر بک ایجنسی کے پاس اطراف ملک سے صاحبان ذوق کی فرمائشین دیوان حالی کے طلب مین آتی رہتی تھین اور جب سے انجمن ترقی اُردو نے اپنے ارادہ کا اعلان کیا ہے سب صاحبون کو متوقع کر دیا جاتا تھا کہ انجمن کیطرف سے دیوان حالی شایع ہونے والا ہے۔ اسی اثنا مین راقم الحروف کو یہ اطلاع ملی کہ دیوان حالی جامعۂ عثمانیہ کے درجہ ایف اے کے نصاب مین داخل کر لیا گیا ہے چونکہ انجمن کی طرف سے دیوان کی اشاعت مین تعویق تھی اس وجہ سے دیوان حالی کا یہ اڈیشن شایع کیا جاتا ہے تاکہ طلبا، جامعۂ عثمانیہ کی ضرورت رفع ہو جائے۔ مین مولوی عبدالحق صاحب آنریری سکرٹری انجمن ترقی اُردو کا شکرگذار ہون کہ اُنھون نے اس ضرورت پر نظر کر کے مجھے دیوان حالی کے شایع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

خاکسار

ظفر الملک علوی

اڈیٹر الناظر

مالک الناظر بک ایجنسی لکھنؤ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

کچھ کذب و افترا ہی کچھ کذب حق نما ہی ۔۔۔ یہ ہی بضاعت اپنی اور یہ ہی دفتر اپنا

ایک زمانہ تھا کہ شاعری اور عشق یا تعشق (عاشق ہونا ۱۲ عاشق بنانا ۱۲) کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے۔ اور ایسا سمجھنا کچھ بیوجہ نہ تھا اول تو خود شعر کا حدوث ہی دنیا مین اس جوش اور ولولے سے ہوا ہی جو عشق اور محبت کی بدولت انسان کے دل مین پیدا ہوتا ہی۔ اور شعر کی ذات مین جو ایک آتشگیر مادہ ہی وہ بھی اپنے مشتعل ہونے مین کسی آگ کی اشتعالک کا محتاج ہی۔ پھر قوم[۱] کا کلام بھی جہانتک دیکھا گیا اسی خیال کی تائید کرتا تھا۔ باایں ہمہ حداثت سن یہ کب اجازت دیتی تھی کہ شاہد رعنائے سخن کا نظارہ ایک پیرزال کی صورت مین کیا جائے اور شراب ارغوانی کی جگہ سرکے سے ضیافت طبع کیجائے۔ غرضکہ ایک مدت تک یہ حال رہا کہ عاشقانہ شعر کے سوا کوئی کلام پسند نہ آتا تھا۔ بلکہ جس شعر مین یہ چاشنی نہ ہوتی تھی اسپر شعر کا اطلاق کرنے مین بھی مضائقہ ہوتا تھا۔ خود بھی سب کبھی یہ سودا اچھلا آنکھین بند کین اور اسی شارع عام پر پڑ لیے جسپر رنگیرون کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ قافلہ کا ساتھ۔ راہ کی

---

[۱] قوم سے یہان اسکے متعارف معنی مراد نہین ہین۔ بلکہ یہان قوم سے مراد شعرا ہین۔

ہمواری۔ اور رہگذر کی فضا چھوڑ کر دوسرا رستا اختیار کرنیکا کبھی خیال بھی نہ آیا۔ مگر جب آفتاب عمر نے پلٹا کھایا اور دن ڈھلنا شروع ہوا۔ وہ تمام ہیولائی جلوے جو خواب غفلت میں حقائق سے زیادہ دلفریب نظر آتے تھے رفتہ رفتہ کافور ہونے لگے۔ غزل و تشبیب کی امنگ انفعال کے ساتھ بدلگئی اور جس شاعری پر ناز تھا اُس سے شرم آنے لگی۔ ہر چند سمجھایا گیا کہ غزل کہنے کے دن اب آئے ہیں۔ مگر یہی جواب پایا گیا کہ غزل کہنے کے دن اب گئے۔

یقولون[1] هل قبل الثلاثین ملعب　　فقلت وهل بعد الثلاثین ملعب

جو لوگ عاشقانہ گوئی کے چٹخارے سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ خون جہاں منہ کو لگا پھر ذرا مشکل سے چھٹتا ہے۔ مگر زمانہ کی ضرورتوں نے یہ سبق پڑھایا کہ دلفریب مگر نکمی باتوں پر آفرین سُننے سے دلشکن مگر کام کی باتوں پر نفرین سننی بہتر ہے۔ اور حاکم وقت نے یہ حکم دیا کہ پروانہ و بلبل کی قسمت کو تو بہت رو چکے کبھی اپنے حال پر بھی دو آنسو بہانے ضرور ہیں۔

یک رہ بحال خویش ہم آخر توان گریست　　تا چند بر فلان و بہمان گریستن

کچھ نظمیں قوم کی حالت پر لکھی گئیں بعضوں نے پسند کیں اور بعضوں نے ناپسند۔ مگر چوٹ سب کے دل پر لگی۔ کہانی بیمزہ تھی مگر آپ بیتی۔ اور باتیں اوپری تھیں مگر سچی۔ جو نظمیں کسی قدر طولانی تھیں وہ تقریباً تمام چھپ چکیں اور شایع ہو چکی ہیں۔ اب زیادہ تر کچھ بچے کھچے متفرق اور پراگندہ خیالات باقی ہیں جنمیں سے کسی قدر قطعہ و رباعی کے لباس میں اور کچھ غزل کے پردے میں ظاہر کیے گئے ہیں۔ انکے سوا چند ترکیب بند۔ ایک آدھ مسمط۔ کچھ قصیدے اور کچھ تاریخیں ہیں جنمیں سے اکثر خاص خاص طور پر وقتاً بعد وقت شایع ہو چکی ہیں لیکن مصنف کی طرف سے عام طور پر پبلک کی نذر نہیں ہوئیں پہلا کلام جو عالم جہل و نادانی یا خلاصۂ زندگانی کی نشانی ہے وہ بھی کسی قدر تلف ہو جانیکے بعد جسقدر بچا ہے ابتک محفوظ ہے۔ انسان کی طبیعت کا مقتضا ہے کہ جو کام اسکی تھوڑی یا بہت کوشش سے سرانجام ہوتا ہے عام اس سے کہ اچھا ہو یا بُرا اور پسند کے لائق ہو یا نہو وہ اسکو بڑے فخر کے

[1] یعنی لوگ کہتے ہیں کہ کیا لہو و لعب کا زمانہ تیس برس سے پہلے ہے؟ سو میں نے اُن سے کہا کیا لہو و لعب کا زمانہ تیس برس کے بعد ہے؟

ساتھ پبلک مین پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ اور خاص و عام سے اپنی کوشش کی داد چاہتا ہے جس فخر کے ساتھ وہ اعرابی[1] جس نے کبھی آب شیرین کا مزہ نہ چکھا تھا ایک کھاری پانی کے چشمہ سے مشک بھر کر ہارون رشید کے دربار مین بطور سوغات کے لے گیا تھا۔ وہ اُس فخر سے کچھ کم نہ تھا جو کلمبس امریکا دریافت کر کے ازبلا کے دربار مین اپنے ساتھ لایا تھا۔ بس یہ تمام مجموعہ جسمین کچھ نئے اور کچھ پرانے خیالات شامل ہین محض ایک امید موہوم پر کہ دیکھیے مردود ہو یا مقبول ملک کی خدمت مین پیش کیا جاتا ہے۔ اور پہلے اس سے کہ کوئی ہم پر ہنسے ہم اپنے دعووں پر آپ ہنستے ہین

شاید ناظرین کو پچھلے زمانہ کے خیالات مین پہلے زمانہ کی نسبت حقائق و واقعات کا کچھ زیادہ جلوہ نظر آئے۔ اور جیسی کہ امید کیجاتی ہے ان خیالات کو بھی شاعری کا ایک نمونہ تصور کیا جائے مگر یہ بات کہ جیسے یہ خیالات کانون کو سچے معلوم ہوتے ہین ایسے سچے دل سے بھی نکلے ہین یا نہین خود ہمکو بھی معلوم نہین تا بدیگران چہ رسد۔ جیسا کام محض سچے جوش و ولولہ سے ہوتا ہے ویسا ہی بلکہ بعض اوقات اس سے بہتر محض شہرت اور ناموری کی خواہش تحسین و آفرین کے لالچ جلب منفعت کی توقع۔ یا کم سے کم اپنا دل خوش کرنے کے خیال سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور خود کرنیوالے کو اپنے کام کا منشا معلوم نہین ہوتا لیکن اگرچہ ہم اسوقت نہونگے مگر زمانہ سچ اور جھوٹ کو اور دودہ اور پانی کو الگ کیے بغیر نہ رہے گا۔ سچ پھولے گا اور پھلے گا۔ اور جھوٹ برسات کے سبزہ کی طرح جلد نیست و نابود ہو جائے گا۔

---

[1] یہ ایک مشہور حکایت کی طرف اشارہ ہے یعنی ہارون رشید کے زمانہ مین ایک بدوی جسنے کبھی دجلہ کے شیرین پانی کا مزا نہ چکھا تھا۔ اس کو صحرا مین ایک چشمہ ملا جسکا پانی اگرچہ دجلہ کے پانی سے کچھ نسبت نہ رکھتا تھا لیکن جیسا شور پانی کہ وہ بدوی ہمیشہ پیا کرتا تھا۔ اُس سے کسی قدر میٹھا تھا وہ خوشی خوشی اس کی ایک مشک بھر کر بغداد مین پہونچا اور خلیفہ کے دربار مین اسکو بطور ایک علق نفیس کے پیش کیا۔ خلیفہ نے اس کو چکھا تو بالکل کھاری پانی تھا۔ مگر اسکی بے مزگی بدوی پر ظاہر نہین ہونے دی۔ اور اس کو انعام دے کر رخصت کیا۔ اور حکم دیا کہ یہ شخص دجلہ کا پانی نہ پینے پائے ورنہ اپنے دل مین شرمندہ ہوگا۔ ۱۲

وکم قد رأینا من فروع کثیرۃ[1] تموت اذا لم تحیہن اصول

ناظرین کو معلوم ہی کہ جب کسی ملک یا قوم یا شخص کے خیالات بدلتے ہین تو خیالات کے ساتھ طرز بیان نہین بدلتی۔ گاڑی کی رفتار مین فرق آجاتا ہی مگر پہیّا اور دُھرا بدستور باقی رہتا ہی۔ اسلام نے جاہلیت کے خیالات بہت کچھ بدل دیے تھے۔ مگر اسلوب بیان مین مطلق فرق نہین آیا۔ جو تشبیہین اور استعارے پہلے مدح۔ ہجا۔ غزل اور تشبیب مین برتے جاتے تھے وہی اب توحید۔ مناجات۔ اخلاق اور موعظت مین استعمال ہونے لگے۔ خاصکر شعر مین اس بات کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہی۔ یہ ممکن ہی کہ متاخرین قدیم شعرا کے بعض خیالات کی پیروی سے دست بردار ہو جائین مگر اُن کے طریقہ بیان سے دست بردار نہین ہو سکتے جسطرح کسی غیر ملک مین نئے وارد ہونے والے سیاح کو اس بات کی ضرورت ہے کہ کام مین روشناس ہونے اور اہل ملک کے دل مین جگہ کرنے کے لیے اسی ملک کی زبان مین گفتگو کرنی سیکھے۔ اور اپنی وضع۔ صورت اور لباس کی اجنبیت کو زبان کے اتحاد سے بالکل زائل کرے۔ اسی طرح نئے خیالات کے شاعر کو بھی سخت ضرورت ہے کہ طرز بیان مین قدما کی طرز بیان سے بہت دور نہ جا پڑے۔ اور جہانتک ممکن ہو اپنے خیالات کو اُنھین پیرایون مین ادا کرے جن سے لوگون کے کان مانوس ہون۔ اور قدما کا دل سے شکر گذار ہو جو اسکے لیے ایسے منجھے ہوے الفاظ و محاورات و تشبیہات و استعارات وغیرہ کا ذخیرہ چھوڑ گئے۔

کچھ تعجب نہین کہ اس مجموعہ کو اور نیز اُن نظمون کو جو پہلے شایع ہو چکی ہین دیکھکر ناظرین کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ان مین نئی بات کون سی ہی؟ نہ خیالات ہی ایسے اچھوتے ہین جو کسی کے ذہن مین نہ گذرے ہون۔ اور نہ طرز بیان ہی مین کوئی ایسی جدت ہی

[1] ترجمہ۔ ہمنے وہ شاخین اکثر سوکھتی دیکھی ہین جنکی جڑین اس قابل نہین کہ اپنی شاخون کو سرسبز رکھ سکین ۱۲

جس سے کبھی کان آشنا ہوئے ہون اور یہ سمجھکر وہ بے اختیار پکار اُٹھین کہ هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ
پس ان کی خدمت مین عرض کیا جاتا ہو کہ بیشک طرز ادا مین جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا وہ بہت
کم فرق پائین گے۔ مگر خیالات مین ذرا بھی غور فرمائین گے تو اُن کو ایک دوسرا عالم نظر آئیگا۔ وہ
دیکھین گے کہ گو محل نہین بدلے مگر محل نشین بدل گئے ہین۔ گو پیالے وہی ہین مگر شراب اور ہے۔

نئے خیالات سے ایسے خیالات ہرگز مراد نہین ہین جو کسی کے ذہن مین نہ گذرے ہون
یا کسی کے ذہن کی ان تک رسائی نہو سکے۔ بلکہ ایسے خیالات مراد ہین جو شاعر و ناشاعر کے
دلمین ہمیشہ گذرتے ہین اور ہر وقت اُن کے پیش نظر ہین۔ مگر اسوجہ سے کہ وہ ایسے پامال اور
مبتذل ہین ان کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا گیا اور انکی طرف بہت کم التفات کیا گیا اور پایۂ شاعری
کو اُن سے ورا الورا سمجھا گیا ہو لیکن فی الحقیقۃ شاعری کا بھید انھین مبتذل خیالات مین چھپا
ہوا تھا جو بسبب غایت ظہور کے لوگون کی نظر سے مخفی تھا۔

دیکھ لے بلبل ذرا گلبن کو آنکھین کھول کر   پھول مین گر آن ہو کانٹے مین بھی اک شان ہے

انسان مین جیسا کہ ظاہر ہو ہرگز یہ طاقت نہین ہو کہ وہ کسی چیز کو عدم محض سے وجود مین
لا سکے۔ اسکی بڑی دوڑ یہی ہو کہ وہ موجودات مین سے چند چیزون کو ترکیب دیکر اس مین ایک
نئی صورت پیدا کر دے۔ پس جسطرح معمار عمارت تیار کرنے مین اینٹ مٹی اور چونہ کا۔ یا بڑھئی ایک
تخت کے بنانے مین لکڑی اور لوہے کا محتاج ہو۔ اسی طرح ضرور ہو کہ شاعر بھی کسی شعر کے
ترتیب دینے مین کسی ایسے مصالح کا محتاج ہو جو اینٹ اور مٹی یا لکڑی اور لوہے کیطرح نفس الامر
مین موجود ہو۔ وہ مصالح کیا ہو؟ یہی دنیا کے حالات جو روزمرہ ہماری آنکھون کے سامنے گذرتے ہین
خواہ وہ انسان سے علاقہ رکھتے ہون۔ یا زمین۔ آسمان۔ چاند۔ سورج۔ پہاڑ اور دریا جیسی شاندار

له قرآن مجید مین مذکور ہو کہ جب اہل جنت کو کوئی جنت کا پھل کھانیکو دیا جائیگا تو وہ کہین گے هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (یعنی یہ تو وہی ہو جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا) کیونکہ جنت کے میوے صورت مین یکسان معلوم ہونگے مگر ہر ایک کا مزا اور لذت جدا ہوگی۔ ۱۲

چیزون سے۔ یا مچھر۔ مکڑی اور ڈھنگے جیسی بے حقیقت چیزون سے پس جس شاعر نے ان حالات کو معمولی باتین سمجھ کر چھوڑدیا۔ اور شعر کی بنیاد محض فرضی اور ناممکن باتون پر رکھنی چاہی۔ اُسکی مثال اُس معمار کی سی ہوگی جو عمارت بنانے کے لیے اینٹ اور مٹی کی کچھ ضرورت نہین سمجھتا بلکہ ایسے مصالح کی ضرورت سمجھتا ہی جس سے عمارت تیار نہین ہوسکتی۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی کاین رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

الغرض جب سے شاعری کی نے کھلی معمولی شکار چھوڑ کر عنقا کی گھات مین بیٹھنا اور زمین پہ ساگ پات کے ہوتے آسمان سے نزول مائدہ کا انتظار کرنا چھوڑ دیا۔ زمانہ کے حالات دیکھکر جو کیفیتین نفس پر طاری ہوتی رہین اور جن واقعات کے سننے سے لبر چوٹ لگتی رہی ان کو وقتاً فوقتاً اپنے سلیقہ کے موافق شعر کا لباس پہناتے رہے۔ بعض خیالات بحسب ضرورت اقوال سلف یا حکایات سلف سے اخذ کیے گئے۔ کہین ان کو اپنے حال پر رہنے دیا اور کہین اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر کے اسکو ایک نئی صورت مین جلوہ گر کیا گیا۔ بعض قطعات و رباعیات مین اخلاقی مضامین کنایہ مین ادا کیے گئے جو شاید کہین کہین مطائبہ کی حد کو پہونچ گئے ہون گر انوری وسعدی و شفائی کے مطائبات کے آگے یقیناً بے نمک معلوم ہونگے۔ ریا و مکر و سالوس و عُجب و خود پسندی اور اسی قسم کے اخلاق واعظ و زاہد و صوفی و شیخ و ملا پر ڈھالے گئے نہ اس لیے کہ نعوذ باللہ اس فرقۂ علیہ کی مذمت مقصود تھی۔ بلکہ اس لیے کہ ان اخلاق کے بیان کرنیکا اس سے واضح تر کوئی عنوان نہ تھا۔ سیاہی کا دھبا جیسا اُجلے کپڑے پر صاف نمایان ہوتا ہے ایسا میلے کپڑے پر نہین ہوتا۔ ظلم اور بے انصافی کے مرتکب اپنی اپنی طاقت کے موافق فقیر اور بادشاہ دونون ہوتے ہین مگر جب ظلم کو زیادہ ہولناک صورت مین دکھانا منظور ہوتا ہی تو وہ ہمیشہ سلطنت کے لباس مین ظاہر کیا جاتا ہی۔ اسی طرح ریا و عُجب و خود پسندی اگرچہ ہر فرد بشر مین کم و بیش پائی جاتی ہے۔ مگر جب اُس کو علم و زہد و مشیخت کی طرف منسوب کیا جاتا ہی تو وہ زیادہ تعجب انگیز اور بڑا اونی صورت مین جلوہ گر ہوتی ہے اور یہی شاعری کی علت غائی ہی۔

شاعر جب اخلاقی مضامین بیان کرتا ہی تو اس کو بضرورت اکثر نصیحت و پند کا پیرایہ اختیار کرنا پڑتا ہی۔ اس لیے ہم کو بھی کہین کہین ناصح بننا پڑا ہی۔ مگر اصلی ناصح کی نصیحت اور شاعر کے ناصحانہ بیان مین بہت بڑا فرق ہی۔ اصلی ناصح خود برائیون سے پاک ہو کر اورون کو ان سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہی۔ مگر شاعر چونکہ برائیون کی ہوبہو تصویر کھینچکر دکھاتا ہی اور گھر کے بھیدی کی طرح چھپے رستمون کے پتّرے کھولتا ہی۔ اس لیے سمجھنا چاہیے کہ وہ زیادہ تر اپنے ہی عیب اورون پر دھر کر ظاہر کرتا ہی۔ ہر بدی اور گناہ کا نمونہ کم یا زیادہ۔ پوشیدہ یا علانیہ انسان کے نفس مین موجود ہی۔ پس اگر بدی یا گناہ کے متعلق کوئی پتے کی بات شاعر کی قلم سے مترشح ہو تو جاننا چاہیے کہ وہ اپنے ہی نفس کی چوریان ظاہر کر رہا ہی

ہین عاشقی کی گھاتین معلوم اُسکو ساری حالی سے بدگمانی بیجا نہین ہماری

شاید اس موقع پر شاعر کی طرف سے یہ عذر ہو سکے کہ اسمین فطرت انسانی کے دقائق وغوامض سمجھنے کا ایک خداداد ملکہ ہوتا ہی جس کی مدد سے بعض اوقات ایک رند مشرب اور خراباتی شاعر جس پر پرہیزگاری کی کبھی چھینٹ نہ پڑی ہو وہ پرہیزگارون کی سوسائٹی کا ایسا صحیح نقشہ کھینچ دیتا ہی کہ خود اس سوسائٹی کے ممبر بھی اپنی سوسائٹی کا ویسا نقشہ نہین کھینچ سکتے اسی طرح ایک دوسرا شاعر جس نے پرہیزگارون اور پارسائون کے حلقہ سے کبھی قدم باہر نہین رکھا وہ رندون اور اوباشون کی صحبتون کا ایسا چربا اُتار دیتا ہی کہ گویا انھین مین سے ایک نے اپنی حالت کی تصویر کھینچی ہی۔ ابو نواس نے بارہا خلیفہ سے ایک مصرع سنکر جسمین رات کے تخلیہ اور عیش و عشرت کی صحبت کی طرف ایک اجمالی اشارہ ہوتا تھا۔ اس مصرع کی تضمین مین ایسے [illegible] بیان کر دیے ہین کہ خلیفہ متعجب ہو کر بے ساختہ یہ کہہ اُٹھا[1] قاتلک اللہ [illegible] ثالثنا۔ شکسپیر جسکے ہمراہی ہرن کا شکار کھیلنے والے اوباش [illegible] لیے تھے اور جس نے کبھی آنکھ کھولکر عالی خاندان اور شریف و پاکیزہ عورتون کی سوسائٹی نہ دیکھی تھی

---

[1] ترجمہ خدا تجکو غارت کرے گویا کہ تیسرا ہم مین تو تھا یعنی تونے ایسے صحیح واقعات بیان کیے ہین کہ گویا تو بھی ہماری صحبت مین شریک تھا

اُس نے میکبت۔ جولیٹ۔ کیتھراین۔ ڈزڈیمونا۔ اور بعض اور لیڈیون کے ایسے اصلی کیرکٹر دکھائے ہین جن کا اس سوسائٹی پر جسمین اسکی عمر گذری تھی کبھی پرچھاوان تک نہ پڑا تھا۔ ایران مین فردوسی اور ہندوستان مین انیس۔ رزم کے بیان مین صدہا نقشے ایسے ٹھیک ٹھیک کھینچ جاتے ہین۔ جن سے معلوم ہوجاتا ہو کہ یہ واقعات گویا خود ان پر گذرے تھے۔

اس عذر سے اگرچہ کسی قدر شاعر کی برأت ہوسکتی ہو۔ مگر پھر بھی اسکو واعظ یا ناصح کا درجہ نہین دیا جا سکتا۔ ناصح کی غرض براہ راست ارشاد و ہدایت ہوتی ہو بخلاف شاعر کے کہ اس کا اصلی مقصود فطرت انسانی کی کریدہ اور واقعات دہر سے متاثر ہوکر دل کی بھڑاس نکالنی ہو اور بس۔ وہ کسی کے سمجھانے کے لیے نہین چلاتا بلکہ خود کچھ سمجھکر چیخ اُٹھتا ہو۔

ناصح مشفق ہین یارون کے نہ مصلح اور مشیر — دردمند اُن کے نہ اُن کے درد کے درمان ہین ہم
چھوٹ پڑتے ہین تماشا اس چمن کا دیکھکر — نالۂ بے اختیار بلبل نالان ہین ہم

پس اگر شاعر کا کوئی قول اُسکے فعل کے برخلاف پایا جائے تو اُس کو واعظ یا ناصح قرار دیکر یہ الزام دینا نہین چاہیے کہ "اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ"، بلکہ اُسکی طرف سے یہ عذر کرنا چاہیے کہ "اِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ"۔

انسان کے کلام مین کہین کہین اختلاف یا تناقض پایا جانا ایک ضروری بات ہو بلکہ اسکے کلام کی پہچان ہی یہ بتائی گئی ہو کما قال اللہ تعالیٰ "وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا"۔ مگر جسطرح ایک فلسفی یا مورخ کی تصنیف مین اختلاف پایا جانا اس تصنیف کو عیب لگاتا ہو اسطرح شاعر کے کلام کو عیب نہین لگاتا بلکہ اس کا بیساختہ پن ظاہر کرتا ہو جسکو شاعری کا زیور سمجھنا چاہیے۔ فلسفی یا مورخ ہر ایک چیز پر اسکے تمام پہلو دیکھکر ایک مستقل رائے قائم کرتا ہو۔ اور اس لیے ضرور ہو کہ اسکا بیان جامع و مانع ہو۔ لیکن شاعر کا یہ کام نہین ہو بلکہ اُس کا کام یہ ہو کہ ہر ایک شے کا جو پہلو اُس کے سامنے آئے اور اُس سے کوئی خاص کیفیت پیدا ہوکر اسکے دل کو بیچین کردے اُسکو اسی طرح بیان کیے بغیر

پھر جب دوسرا پہلو دیکھکر دوسری کیفیت پیدا ہو جو پہلی کیفیت کے خلاف ہو اُسکو اُس دوسری کیفیت کے موافق بیان کرے۔ وہ کوئی فلسفہ یا تاریخ کی کتاب نہین لکھتا تاکہ اسکو حقائق و واقعات کے ہر ایک پہلو نظر رکھنی پڑے۔ بلکہ جس طرح ایک فوٹوگرافر ایک ہی عمارت کی کبھی روکار کا کبھی پچھیت کا کبھی اس ضلع کا اور کبھی اُس ضلع کا جُدا جُدا نقشہ اُتارتا ہے اسی طرح شاعر حقائق و واقعات کے ہر ایک پہلو کو جُدا جُدا رنگ مین بیان کرتا ہے پس ممکن ہے کہ شاعر ایک ہی چیز کی کبھی تعریف کرے اور کبھی مذمت اور ممکن ہے کہ وہ ایک اچھی چیز کی مذمت کرے اور بُری چیز کی تعریف کیونکہ خیر محض کے سوا ہر چیز مین شر کا پہلو اور شر محض کے سوا ہر شر مین خیر کا پہلو موجود ہے عقل علم زہد دولت عزت اور آبرو عموماً ممدوح و مقبول سمجھی جاتی ہین مگر شعرا نے ان کی جا بجا مذمت کی ہے۔ اسی طرح دیوانگی نادانی۔ رندی۔ فقر ذلت اور رسوائی عموماً مذموم و مردود گنی جاتی ہین لیکن شعرا ان کے اکثر مداح رہے ہین۔

شاعر ایک ہی چیز کی کبھی ایک حیثیت سے ترغیب دیتا ہے اور کبھی دوسری حیثیت سے اُس سے نفرت دلاتا ہے۔ وہ کبھی قدما کے مقابلہ مین اس لیے کہ وہ اُستاد اور موجد فن تھے اپنے تئین ناچیز و بے حقیقت بتاتا ہے۔ اور کبھی اس لیے کہ اُس نے انکی دولت مین کسی قدر اپنی کمائی بھی شامل کی ہے جو اُنکے پاس نہ تھی اپنے تئین اُن پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ کبھی دنیا کی اس لیے تحقیر کرتا ہے کہ وہ دار الغرور و دار المحن ہے۔ اور کبھی اُسکی بڑائی و عظمت اسلیئے بیان کرتا ہے کہ وہ مزرعۂ آخرت ہے وہ ایک ہی گورنمنٹ کی کبھی اُسکی خوبیون کے سبب ستایش کرتا ہے اور کبھی اس کی ناگوار کارروائیون کے سبب شکایت۔ مگر وہ کبھی ان حیثیتون کی تصریح نہین کرتا جن پر اُس کے مختلف بیانات مبنی ہوتے ہین۔ جب ایک پہلو کو بیان کرتا ہے تو گویا دوسرے پہلو کو بالکل بھول جاتا ہے۔ وہ ایک نادان بچہ کی طرح کبھی بے اختیار رو پڑتا ہے اور کبھی ہنسنے لگتا ہے۔ مگر نہ اس کے رونے کا منشا معلوم ہوتا ہے نہ ہنسنے کا۔ پس ممکن ہے کہ شاعر کے کلام مین ایسی بے جوڑ باتین دیکھکر لوگ متعجب ہون۔ مگر جب تک شاعر کا سا دل اُن کے پہلو مین اور ویسا ہی سودا ان کے دماغ

مین نہوان کا تعجب لبقع ہونا مشکل ہو۔

"بہ زیر شاخ گل افعی گزیدہ بلبل را　　نوا گران نخوردہ گزند را چہ خبر"

یہ چند اصول جو اوپر بیان کیے گئے اُن سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ نکتہ چینیون کی زبان بند کرنی مقصود ہی۔ کیونکہ جسطرح فوارہ روکنے سے زیادہ زور کے ساتھ اُچھلتا ہے۔ اسی طرح نکتہ چینیون کی زبان بند کرنے سے اور زیادہ کھلتی ہو۔ دوسرے نکتہ چینیون سے کان اسقدر مانوس ہو گئے ہین کہ جسطرح توپ خانہ کا گھوڑا توپ کی آواز سے کبھی کان نہین ہلاتا اسی طرح مصنف نکتہ چینیون کے شور و غل کی کچھ پروا نہین کرتے پس اُنکی زبان بند کرنیکی نہ طاقت ہو نہ ضرورت۔ البتہ ضرورت وقت اس امر کی مقتضی تھی کہ دیباچہ مین یہ چند باتین جتا دی جائین۔ ظاہر ہو کہ سویلزیشن جسکو شعر و شاعری کا قاتل کہا جاتا ہو اس کا پرچھاوان اس ملک پر بھی پڑنے لگا ہے۔ شعر جسکو مدرسہ[۱] مین لیجانے کی اجازت نہ تھی اس کو روز بروز زیادہ تر مدرسہ ہی کے ساتھ پالا پڑتا جاتا ہو تعلیم ایسے عقل و دانش کے پتلے جوق جوق اور فوج فوج پیدا کر رہی ہے جو شعرا کے نزدیک ذوق معنی سے ایسے ہی بے بہرہ ہین جیسے شعرا انکے نزدیک عقل و دانائی سے۔ اُن پر شعر اتنا بھی اثر نہین کرتا جتنا کہ عرب کے اونٹ پر حُدی خوان کی آواز اثر کرتی ہو۔ غرضکہ شاعرانہ مذاق یوماً فیوماً ملک سے مفقود ہوتا جاتا ہو۔ اور ایسی علامتین موجود ہین جن سے پایا جاتا ہو کہ ہماری شاعری کا چراغ بہت جلد ہمیشہ کے لیے گل ہونیوالا ہو۔ نہ پرانی شاعری باقی رہتی نظر آتی ہو اور نہ نئی شاعری آگے چلتے معلوم ہوتی ہو۔ ایسی حالت مین دیوان شایع کرنا اور شاعری کے متعلق کچھ اصول بیان نہ کرنے ایسی بات تھی جیسے چین مین عبرانی بائبل شایع کرنی۔ اسی لیے مقدمہ مین مطلق شاعری پر کسی قدر تفصیلی بحث پہلے ہو چکی ہو اور چند باتین جو خاص اس مجموعہ سے علاقہ رکھتی تھین وہ اب دیباچہ مین بیان کی گئین لیکن اگر غور کیجیے تو اُن مین سے کوئی چیز بھی ضروری نہ تھی۔ مقدمہ اور دیباچہ لکھنا تو درکنار سرے سے

[۱] یہ اشارہ ہو اس مشہور مقولہ کی طرف کہ "شعر مرا بہ مدرسہ مبر" ۱۲

شعر کہنے ہی کی کچھ ضرورت معلوم نہین ہوتی۔

"آنچہ ما در کار داریم اکثری درکار نیست"

مگر مدبر السموات والارض نے اس خرابہ آباد دنیا کی رونق اور بہار ہماری اسی غفلت و نادانی پر موقوف رکھی ہے کہ دن رات یہان کے گورکھ دھندون مین الجھے رہین دھوکے کو حقیقت اور خواب کو بیداری سمجھین اور جس کوشش و جانفشانی کے ساتھ مکڑی عمر بھر اپنے بودے اور کمزور جالے کے پورنے مین سرگرم رہتی ہے اسی کوشش و جانفشانی کے ساتھ ہم بھی اپنی بے بنیاد اور باد ہوا عمارتین چنتے رہین یہانتک کہ فنا ہو جائین۔

در کارخانۂ کہ بنایش بغفلت است | هشیار زیستن نہ قانون حکمت است
"نَرُوحُ وَنَغْدُو لِحَاجَاتِنَا | وَحَاجَةُ مَنْ عَاشَ لَا تَنْقَضِي
وَيَسْلُبُهُ الْمَوْتُ اَثْوَابَهُ | وَيَمْنَعُهُ الْمَوْتُ مَا يَشْتَهِي
تَمُوتُ مَعَ الْمَرْءِ حَاجَاتُهُ | وَتَبْقَى لَهُ حَاجَةٌ مَا بَقِي"

له ترجمہ۔ ہم اپنے کامون مین صبح و شام سرگرم ہین، اور جو شخص زندہ ہے اس کا کام ختم نہین ہو سکتا، موت ہی اسکے کپڑے اتروائے گی اور موت ہی اسکی خواہشون کا خاتمہ کرے گی۔ انسان کی خواہشین اسکے ساتھ ہی مرینگی جب تک وہ زندہ ہے کوئی نہ کوئی خواہش اسکے ساتھ لگی ہوئی ہے ۱۲۔

قطعات

چھوٹون کا بڑا بن جانا

چند خطوط اِک دانا نے کھینچ کے یارون سے یہ کہا
دیکھ لو ان مین جتنے ہین خط کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا
ہے کوئی وہ جو بے ہاتھ لگائے دے یونہین چھوٹے خط کو بڑھا
ایک نے جتنے خط تھے بڑے اُٹھ کے دیا ایک اک کو مٹا
جب نہ رہا وہان پیش نظر خط کوئی چھوٹے خط کے سوا
دیکھا اُٹھا کر آنکھ جدھر تھا وہی چھوٹا وہ ہی بڑا
کل کی ہی یارو بات کہ تھی قوم مین باقی جان ذرا
قوم مین جیسا حال ہے اب آدمیون کا کال نہ تھا
تھے موجود ادیبون مین اخطل و اعشیٰ کے ہمتا
منشیون مین ایسے تھے بہت جن پہ کہ نازان تھی انشا
شعر مین تھے استاد اکثر سحر بیان اور نکتہ سرا

لے گئی ان کو آخرکار — بحرِ فنا کی فوج بہا
اہلِ ہنر کا نام و نشان — قوم میں جب باقی نہ رہا
حالی و زید و عمرو بنے — صاحبِ دیوان نامِ خدا
اب جو ہوا اُستاد گنو — یا ہمیں سمجھو تم یکتا
ہم ہیں وہی ناچیز مگر — کَبُرَ ناموت الکُبَرا

شعر کی طرف خطاب

اے شعر دلفریب نہ ہو تو تو غم نہیں — پر تجھ پہ حیف ہے جو نہ ہو دل گداز تو
صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام — ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
جوہر ہے راستی کا اگر تیری ذات میں — تحسینِ روزگار سے ہے بے نیاز تو
حسن اپنا گر دکھا نہیں سکتا جہان کو — آپ کو دیکھ اور کر اپنے پہ ناز تو
تو نے کیا ہے بحرِ حقیقت کو موج خیز — دھوکے کا غرق کرکے رہیگا جہاز تو
وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمانِ شاعری — قبلہ ہوا اب اُدھر تو پڑھیو نماز تو
اہلِ نظر کی آنکھ میں رہنا ہے گر عزیز — جو بے بصر ہیں اُن سے نہ رکھ ساز باز تو
ناک اوپری دوا سے تری گر چڑھائیں لوگ — معذور جان اُن کو جو ہے چارہ ساز تو
چپ چاپ اپنے سچ سے کئے جا دلوں میں گھر — اونچا ابھی نہ کر علمِ امتیاز تو
جو نابلد ہیں اُن کو بتا چپکے راہ — گر چاہتا ہے خضر کی عمرِ دراز تو
بلد واقف راہ کو اور نابلد ناواقف راہ ۱۲
عزت کا بھید ملک کی خدمت میں ہے چھپا — محمود جان آپ کو گر ہے ایاز تو
اے شعر راہِ راست پہ تو جب کہ پڑ لیا — اب راہ کے نہ دیکھ نشیب و فراز تو
کرنی ہے فتح گر تجھے دنیا تو ہے دل — پھر دل کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو
ہونی ہے سچ کی قدر پہ بیشک بہت کے بعد — اسکے خلاف ہو تو سمجھ اسکو شاذ تو

جو قدردان ہو اپنا اُسے مغتنم سمجھ ۔ حالی کو تجھ پہ ناز ہو گر اُس پہ ناز تو

مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر

ہوئی ریعان جوانی کی بہار آخر حیف ۔ طبع رنگین تھی مے عشق کی جب متوالی
اپنی روداد تھی، جو عشق کا کرتے تھے بیان ۔ جو غزل لکھتے تھے۔ ہوتی تھی سراسر حالی
اب۔ کہ الفت ہے نہ چاہت نہ جوانی نہ اُمنگ ۔ سر ہے سودا سے تہی، عشق سے دل ہے خالی
گر غزل لکھیے تو کیا۔ لکھیے غزل میں آخر ۔ نہ رہی چیز وہ مضمون سوجھانے والی
آپ بیتی نہ ہو جو، ہے وہ کہانی بے لطف ۔ گرچہ ہوں لفظ فصیح اور زبان ٹکسالی
ہاں مگر کیجیے کچھ عشق کا غیروں کے بیان ۔ لائیے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی
کھینچیے وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر ۔ کیجیے درد جدائی کی کبھی نقالی
تا کہ بھڑکائے جوانوں کے دل آتش کی طرح ۔ وہ ہوا جس سے و داغ اپنا ہوا ہے خالی
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل ۔ قحبہ چون پیر شود پیشہ کند دلالی

نکتہ چینی

باپ نے بیٹے کو سمجھایا کہ علم و فضل میں ۔ جسطرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجیے
کیجیے تصنیف اور تالیف میں سعی بلیغ ۔ اسمیں ایک اپنا پسینا اور لہو کر دیجیے
دیجیے معنے کے نظم و نثر میں دریا بہا ۔ اور سخن کی داد ہر پیر و جوان سے لیجیے
اور نہ ہو گر شعر و انشا کی لیاقت آپ میں ۔ شاعروں اور منشیوں پر نکتہ چینی کیجیے

بے تمیزی ابنائے زمان

ذرہ مختصر آبگینہ سے یہ ہیرے نے کہا ۔ ہر وجود اسے مبتذل تیرا برابر اور عدم

جنس تیری کس ہیرس اور قدر و قیمت تیری ہیچ — تیرے پانے کی خوشی کچھ اور نہ گم ہونیکا غم
دے کے دھوکا تو اگر الماس بنجائے تو کیا — امتحان کے وقت کھلجاتا ہو سب تیرا بھرم
مسکرا کر آبگینہ نے یہ ہیرے سے کہا — گو کہ ہے رتبہ ترا مجھ سے بڑا اے محترم
مجھ مین اور تجھ مین مگر کر سکتے ہین جو امتیاز — ہین بہتیرے ایسے اس بازار ناپرسان مین کم
تیرے جوہر گو نہین موجود اپنی ذات مین — تجھ سے اے الماس لیکن اچھے پڑھتے ہین ہم

ایک خودپسند امیرزادہ کی تضحیک

کہتے ہین اک امیرزادہ کو — تھا خدنگ افگنی کا شوق کہین
خصلتین جو امیرزادو نمین — لازمی ہین۔ وہ اسمین بھی سب تھین
گو کہ رکھتا نہ تھا ہنر کوئی — اس پہ تھا خودپسند اور خودبین
کچھ نہ تھا پر سمجھتا تھا سب کچھ — علم تیر و کمان مین اپنے تئین
واہ واہ سنتے سنتے یارون کی — ہو گیا تھا ہنر کا اسکے یقین
الغرض ایک دن صحرا مین — جب کہ تھے ساتھ سب جلیس و قرین
مشق تیر افگنی مین تھا مصروف — کر رہے تھے خوشامدی تحسین
آکے دیکھا جو اک ظریف نے حال — وجہ تحسین ہوئی نہ ذہن نشین
تیر جتنے کمان سے چھوٹے — پائے سب بے اصول بے آئین
جاکے تودے سے کبھی نہ پڑتا تھا — تیر آتا جگہ کے کوئی قرین
ایک جاتا تھا چھوٹ کے سوئے شمال — ایک جاتا تھا کٹ کے سوئے یمین
کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی — رکھ کے بالائے طاق سب تمکین
خاک تودے پہ جاکے ہو بیٹھا — لوگ کرنے رہے چنان و چنین
ناوک انداز بولا چلا کر — کوئی تجکو جنون ہے اے مسکین

یا خفا ہو کے گھر سے آیا ہے　　یا کہ دو بھر ہے تجھ کو جان حزین
عرض کی چارہ کیا ہو اسکے سوا　　جبکہ جائے گریز ہو نہ کہین
زد سے ان بے پناہ تیرون کی　　کہین جان دار کو امان نہین
مجھکو ہر پھر کے شش جہت ہین حضور　　امن کی اک جگہ ملی ہے یہین

پولیٹکل اسپیچین

اے بزم سفیران دول کے سخن آرا　　ہر خورد و کلان تیری فصاحت پہ فدا ہے
یہ سچ ہے کہ جادو ہے بیان مین ترے لیکن　　کچھ سحر بیانی کا تری ڈھنگ نیا ہے
ظاہر ہو نہ غصہ مین بیان سے تری رنجش　　ہے لطف مین کچھ طرز بیان اس کا جدا ہے
ہے دلمین نہان ایک شکایت کا طومار　　اور لب پہ جو دیکھو تو نہ شکوہ نہ گلا ہے
جو صلح کی باتین ہین وہ ہین شہد سے شیرین　　اور جنگ مین کچھ لطف سخن اس سے سوا ہے
گر سوچیے تو سیکڑون ہین پہلو ہین مفر کے　　اور سنیے تو زنجیرون سے ہر قول بندھا ہے
دل کی تری ہوتی نہین معلوم کوئی بات　　گونگا نہین گویا نہین کیا جانیے کیا ہے
کھلتا نہین کچھ اسکے سوا تیرے بیان سے　　اک شے ہے خوش لہجہ کہ کچھ بول رہا ہے
تجھ سے لب اظہار پہ اب آکے کھلا یہ　　انسان کو اخفا کے لیے نطق ملا ہے

بدی کر کے نیکنامی کی توقع رکھنی

نا منصف و بے رحم تھا اک ضلع کا حاکم　　برتاؤ سے نالان تھی بہت جسکی رعیت
جب دورہ کو اُٹھتا تھا تو دیہات مین جا کر　　تھا پوچھتا ایک ایک سے از راہ شرارت
ہین پرگنہ کے لوگ سمجھتے ہمین کیسا　　کرتے ہین ہماری وہ ستائش کہ مذمت
تھی اس کی مثال ایسی کہ اک شخص بہ آواز　　جسکو کہ خود آواز سے تھی اپنی کراہت

گاتا تھا کھڑا ہو کے اور آواز کے پیچھے
ہر بار لپکتا تھا بصد تیزی و سرعت
ہوتا تاکہ یہ معلوم کہ ہے دور سے میری
آواز خوش آیند ویا قابل نفرت

تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر

زاہد نے کہا زینت و اسباب پہ جو لوگ
اتراتے ہیں۔ اک آنکھ مجھے وہ نہیں بھاتے
حالی نے کہا جن کو ہوا اترانے سے نفرت
اترا کے وہ اس طرح نہیں ناک چڑھاتے

سید احمد خان کی تکفیر

مختلف اقوال ہیں اسلام کی تعریف میں
بعض کے نزدیک توحید اسکی حد تام ہے
ہے مگر جمہور کے نزدیک مردود قول
جو ہیں قائل اسکے اُن پر کفر کا الزام ہے
کیونکہ اس سے ماننا پڑتا ہے اُس جمعیت کو تمام
جس سے غیر از اہل قبلہ جو ہو وہ ناکام ہے
بعض کہتے ہیں کہ شرع سید ابرار پر یقین
پس مسلمانی و دینداری اسی کا نام ہے
پر یہ حد بھی جامع و مانع نہیں عند الفحول
کہتے ہیں اسلام جو سمجھے اُسے وہ خام ہے
امتی کا مستحق ہے خاص کر اپنا گروہ
اور سب کا لفظ یار اغیار سب کو عام ہے
بعض کہتے ہیں شعار اسلامیوں کا ہو لباس
جو لباس غیر پہنے خارج از اسلام ہے
بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ
حصر کرنا ان تمام آرا کو مشکل کام ہے
مذہب[۱] منصوص ہو لیکن بیان کرنا ضرور
جو مسلم آج کل نزدیک خاص و عام ہے
اہل حل و عقد ہیں اب متفق اس امر پہ
سید احمد خان کو کافر جاننا اسلام ہے

قرض لیکر حج کو جانیکی ضرورت

قریب موسم حج۔ قرض لے کے اک دیندار
چلا بہ نیت حج گھر سے سوے بیت اللہ

۱؎ اقوال مختلف ہیں سے یہ قول ان میں ہے اسکو مذہب منصوص کہتے ہیں ۱۲

کہا یہ اس سے اک آزاد نے کہ اے حضرت — کیا ہے آپ کو شارع نے جبر یا اکراہ
کہ قرض لیکے چلے ہیں ہندوستان سے حجاز — وطن میں چھوڑ کے اطفال کو بحال تباہ
نہ نان و نفقہ فرزند سے خاطر جمع — نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ
سنا یہ اور بہت ترش ہو کے فرمایا — کہ روکتا ہے مسلمان کو جو اے گمراہ
وہ بادشاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے — نگین و خاتم و طبل و نشان و تخت و کلاہ
خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے میہمانوں کی — پہونچتے جو کہ ہیں طے کر کے بر و بحر کی راہ
جنھیں فراغت و تنگی میں ہے اُسی سے امید — جنھیں سلامت و آفت میں ہے اُسی کی پناہ
وہ سُن کے بولا کہ ناخواندہ میہمانوں کو — امید لطف کی رکھنی ہے میزبان سے گناہ
ذلیل ہوتے ہیں جو بن بلائے جاتے ہیں — طفیلیوں کی نہیں دعوتوں میں عزت و جاہ
یہ سُن کے شیخ نے دیکھا اِدھر اُدھر کہ کہیں — ہو مدعی نہ مجلس میں یاں کوئی ہمراہ
بلا کے پاس پھر آہستہ اُس سے فرمایا — ابھی زمانہ کی چالوں سے تو نہیں آگاہ
قدم پہونچتے جہاں تک ہیں پختہ کاروں کے — جوان خام کی واں تک نہیں پہونچتی نگاہ
خدا کے حکم ہیں مبنی تمام حکمت پر — فتوح جن سے ہو دنیا یا دین کی خاطر خواہ
نماز و روزہ ہو یا ہو طواف و عمرہ و حج — حصول جیسے کہ ہوتا ہے ان سے قرب الٰہ
اسی طرح یہ وسیلے معاش کے ہیں تمام — نہ جن میں چاہیے محنت نہ کوشش جانکاہ
مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے ورنہ — ہزاروں پھرتے ہیں حجاج سادہ لوح تباہ
یہ کہنے سننے کی باتیں نہیں ہیں برخوردار — وگرنہ علم معیشت وسیع ہے واللہ

آزادی کی قدر

ایک ہندی نے کہا حاصل ہے آزادی جنھیں — قدر داں اُن سے بہت بڑھ کر ہیں آزادی کے ہم
ہم کہ غیروں کے سدا محکوم رہتے آئے ہیں — قدر آزادی کی جتنی ہم کو ہو اتنی ہے کم

عافیت کی قدر ہوتی ہے مصیبت میں سوا
بینوا کو ہے زیادہ حسرت دنیا روز و شب

تعرف الاشیاء باضدادہا ہے قول حکیم
دیکھا قیدی سے زیادہ کون آزادی پسند

سن کے اک آزاد نے یہ بات چپکے سے کہا
ہے سقر موری کے کیڑے کے لیے باغ ارم[۱]

انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی

کہتے ہیں آزاد ہو جاتا ہے جب لیتا ہے سانس
یاں غلام آکر ولایت ہے یہ انگلستان کی

اسکی سرحد میں غلاموں نے جو ہیں رکھا قدم
اور کڑکنے پاؤں سے ایک اک کے بیڑی گر پڑی

قلب ماہیت میں انگلستان ہے گر کیمیا
کم نہیں کچھ قلب ماہیت میں ہندستان بھی

آن کر آزاد یاں آزاد رہ سکتا نہیں
وہ رہے ہو کر غلام اسکی ہوا جسکو لگی

سید احمد خان کی مخالفت کی وجہ

سید احمد خان سے اک منکر نے یہ پوچھا کہ آپ
کس لیے سید سے صاف رہتے ہیں فی اللہ نہیں

کافر و ملحد ہمیشہ اسکو ٹھہراتے ہیں آپ
ثابت اسلام اسکا نزدیک آپ کے گویا نہیں

آپ بھی (نام خدا) ہیں تارک صوم و صلوٰۃ
اور سلوک اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں

خود نبوت پر شک ہیں ہم نے ایراد آپ کے
اور الوہیت بھی دل سے حضرت کا نہیں

چشم پوشی ہو رہی آپ کی بھی جب کہ ہو شرب و سماع
پھر یہ سید پر ستم آپ کا کیوں بے جا نہیں

سن کے فرمایا اگر پوچھے انصاف
بات یہ ہے حسن ظن صاحب کم تھوڑا بھی نہیں

سچ کچھ اس کا نہیں مجھکو کہ وہ ایسا ہے کیوں
بلکہ ساری کوفت ہے اسکی کہ میں ویسا نہیں

---

[۱] یعنی جسطرح موری کے کیڑے کو موری میں آرام ملتا ہے اور وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا اسی طرح جو قومیں ہمیشہ محکوم رہتی چلی آتی ہیں وہ غلامی ہی میں خوش رہتی ہیں ۱۲

قحط اہل اللہ

کل خانقاہ مین تھی حالت عجیب طاری — جو تھا سو چشم پرنم۔ اپنا تھا یا پرایا
"دنیا سے اٹھ گئے سب جو تھے مرید صادق" — یہ کہہ کے شیخ کا دل بیسیا خستہ بھر آیا
ہمنے کہا مریدی باقی رہی نہ پیری — یہ کہہ کے ہم بھی روئے اور اسکو بھی رلایا

نوکرون پر سختگیری کرنیکا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ نوکرون پر سختگیر — درگذر تھی اور نہ ساتھ انکے رعایت تھی کہین
بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی انکی معاف — کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی ان کے تئین
حسن خدمت پر اضافہ یا صلہ تو درکنار — ذکر کیا نکلے جو پھوٹے منھ سے اسکے آفرین
پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جب اس سے دوچار — نتھنے پھولے۔ منھ چڑھا۔ ماتھے پہ بل۔ ابرو پہ چین
تھی نہ جز تنخواہ نوکر کے لیے کوئی فتوح — آکے ہوجاتے تھے خائن جو کہ ہوتے تھے امین
رہتا تھا اک اک شرائط نامہ نوکر کے پاس — فرض جسمین نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعین
گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار — زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگبین
حکم ہوتا تھا شرائط نامہ دکھلاؤ ہمین — تاکہ یہ درخواست دیکھین واجبی ہے یا نہین
جو ان سوا تنخواہ کے تھا جسکا آقا ذمہ دار — لکھین گرین جتنی وہ ساری نوکرونکے ذمہ تھین
دیکھ کر کاغذ کو ہوجاتے تھے نوکر لاجواب — تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے زیر آستین
ایک دن آقا تھا اک منھ زور گھوڑے پر سوار — تھک گئے جب زور کرتے کرتے دست نازنین
دفعتہً قابو سے باہر ہوکے بھاگا راہوار — اور گرا اسوار صدر زین سے بالائے زمین
کی بہت کوشش نہ چھوٹی پاؤن سے لیکن رکاب — کی نظر سائیس کی جانب کہ ہو آکر معین
تھا مگر سائیس ایسا سنگدل اور بیوفا — دیکھتا تھا اور ٹس سے مس نہوتا تھا لعین

دور ہی سے تھا اُسے کاغذ دکھا کر کہہ دیا دیکھ لو سرکار اسمین شرط یہ لکھی نہین

نیشن کی تعریف

یہ ہے مانی ہوئی جمہور کی راے اسی پر ہے جہان کا اتفاق اب
کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم زبان جنکی ہو ایک اور نسل و مذہب
مگر سمجھا ہے جنھون نے دی ہو نہین جو راے مین اپنی مذبذب
وہ نیشن کہتے ہین اُس بھیڑ کو بھی کہ جسمین وحدتین مفقود ہون سب
زبان اس کی نہ ہو مفہوم اُس کو ہون آدم تک جدا سب کے جد و اب
جو واحد لاشریک اس کا خدا ہو تو لاکھون اُس کے ہون معبود و ارب

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گذرا کہین میلا کچیلا اک غلام اُسکے میلے پن پہ لوگون نے ملامت اُسکو کی
عرض کی ایک اک راہ ہے جسمین ہین مالک غیر اختیار اسکی صفائی کا نہین رکھتے رہی
جو ہین آزاد اور صفائی کا نہین رکھتے خیال عذر میلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہون یہی
کیونکہ جسم آدمی مین پیش اہل معرفت کوئی چیز اس کی نہین ہے سب امانت اور کی

دلّی کی شاعری کا تنزل

اک دوست نے حالی سے کہا از رہ انصاف ہو کرتے ہین پسند اہل زبان اسکے سخن کو
چند اہل زبان جنکو کہ دعوی تھا سخن کا لیکن کہ نہین جانتے تم شعر کے فن کو
شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہو اہل زبان سے ہو چھوٹ گئی غیر زبان اُس کے دہن کو
معلوم ہے حالی کا جو ہے مولد و منشا اُردو سے بھلا واسطہ ہے حضرت کے وطن کو

اُردو کے دھنی وہ ہین جو دلّی کو ہین روتے ‌ ‌ ‌ پنجاب کو مَس اس سے نہ پورب نہ دکن کو
بلبل ہی کو معلوم ہین انداز چمن کے ‌ ‌ ‌ کیا عالم گلشن کی خبر زاغ و زغن کو
حالی کی زبان گرچہ نہ شستہ نہ لین ہو ‌ ‌ ‌ خالص نہو تو کیجیے کیا لے کے لبن کو
ہر چند کہ صنعت سے بنا لے کوئی نافہ ‌ ‌ ‌ پہونچیگا نہ وہ نافۂ آہوے ختن کو
مانا کہ ہے بیساختہ پن اُسکے بیان مین ‌ ‌ ‌ کیا پھونکیے اس ساختہ بیساختہ پن کو
یہ دوست نے حالی کے سُنی جبکہ تعلّی ‌ ‌ ‌ حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو
کچھ شعر تھے یاد اُن کے پڑھے اور یہ پوچھا ‌ ‌ ‌ کیون صاحبو عزت اسی اُردو سے ہو فن کو
سچ یہ ہے کہ جب شعر ہون سرکار کے ایسے ‌ ‌ ‌ کیون آپ لگے ماننے حالی کے سخن کو
حالی کو تو بدنام کیا اُس کے وطن نے ‌ ‌ ‌ پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو

بیٹیون کی نسبت

جاہلیت کے زمانہ مین یہ تھی رسم عرب ‌ ‌ ‌ کہ کسی گھر مین اگر ہوتی تھی پیدا دختر
سنگدل باپ سے گود سے لیکر ماں کی ‌ ‌ ‌ گاڑ دیتا تھا زمین مین کہین زندہ جا کر
رسم اب بھی یہی دنیا مین ہے جاری لیکن ‌ ‌ ‌ جو کہ اندھے ہین جیسے کہ نہین کچھ انکو خبر
لوگ بیٹی کے لیے ڈھونڈھتے ہین جب پیوند ‌ ‌ ‌ سب سے اول انھین ہوتا ہے یہ منظور نظر
ایسے گھر بیاہیے بیٹی کو جو ہو آسودہ ‌ ‌ ‌ اور سہ و مہر سے جو ذات مین ہو افضل تر
جانے پہچانے ہون سمدھیانہ کے سارے زن و مرد ‌ ‌ ‌ اُن کے معلوم ہون عادات و خصائل یکسر
ایک ہی شہر مین ہون دونون گھرانے آباد ‌ ‌ ‌ دونون نزدیک قرابت مین ہون یا ہمسر
جیتے جی مر گئی بس ان کی طرف سے گویا ‌ ‌ ‌ جا کے پردیس مین بیٹی کو دیا بیاہ اگر
چھان بین اسکی تو کرتے ہین کہ گھر کیسا ہے ‌ ‌ ‌ پر نہین دیکھتا یہ کوئی کہ کیسا
بدمزاجی ہو۔ جہالت ہو۔ کہ ہو بدچلنی ‌ ‌ ‌ کچھ بُرائی نہین۔ زر توستا ہو داماد اگر

وہ بھی نا شدنی دیت ہے جس کے کارن — بکریاں بھیڑوں سے باقی ہیں پیوند اکثر
جاہلیت میں تو تھی اک یہی آفت کہ یہاں — گاڑ دی جاتی تھی بس خاک میں تنہا دختر
ساتھ بیٹی کے مگر اب پدر و مادر بھی — زندہ در گور سدا رہتے ہیں اور خستہ جگر
اپنا اور بیٹیوں کا جبکہ نہ سوچیں انجام — جاہلیت سے کہیں ہے وہ زمانہ بدتر

سید احمد خان کی تصانیف کی تردید

اک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے — برسوں رہا تلاش میں وجہ معاش کی
وہ شہر شہر نوکری کی ٹوہ میں پھرا — لیکن نہ اس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی
اخبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی — تدبیر یہ بھی اس کی نہ تقدیر سے چلی
روزی کی خاطر اس نے کیے سیکڑوں جتن — پر کی کہیں نصیب نے اس کے نہ یاوری
راہ طلب میں جب ہوئی سرگشتگی بہت — اک خضر پے نے جھٹ اس کی آ کے رہبری
چپکے سے کہہ دیا یہ کان میں اسکے کہ آجکل — سنتا ہوں چھپ رہی ہے تصانیف احمدی
کہنا اور لفظ لفظ کو اس کے چھیڑ کر — تردید اسکی چھاپ دے تو یہ بڑی بھلی
پھر دیکھنا کہ راس و جیب و گرد و پیش سے — لگتی ہے کیسی آ کے زر و سیم کی جھڑی
دنیا طلب کو چاہیے اک فریب ہو — دنیا پہ جب تک کہ مسلط ہے ابلہی

یقین

آتی نہیں ہے شرم تجھے اے خدا پرست — دل میں کہیں نشاں نہیں تیرے یقین کا
جی میں ترے ہزاروں گذرتے ہیں وسوسے — ہوتی نہیں قبول تری ایک اگر دعا
تجھ سے ہزار مرتبہ بہتر ہے بت پرست — جسکا یقین ہے تیرے یقین سے کہیں سوا
وہ مانگتا بتوں سے مرادیں ہے عمر بھر — گو حاجت اس کی ان سے ہوئی ہو نہ روا

آتا نہین یقین مینا جسکے کبھی قصور | امید اسکی روز فزون ہے اور التجا
تو بندۂ غرض ہے۔ وہ راضی رضا پہ ہو | وہ ہے کہ یہ ہے بندگی اے بندۂ خدا

اِستفادہ

لیجئے بھیک دوڑ کر گر ہو گداگری کا یہ | جس سے ملے جہان سے ملے جو ملے اور جب ملے
ہے یہی اصل اکتساب۔ ہو جیو سب سے مستفید | زک ملے۔ یا سزا ملے۔ درس ملے ادب ملے

لایق آدمی دوست اور دشمن دونون سے فائدہ اُٹھا سکتے ہین

قول ایک حکیم کا ہے کرو گر غور کیجیے | ہے حق مین سب کے دوست سے دشمن مفید تر
اول تو سوجھتا ہی نہین عیب دوست کو | اور سوجھتا ہے تو نہین لاتا زبان پر
پر ایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب | سو سو طرح سے وہ اُسے کرتا ہے جلوہ گر
دشمن سے بڑھ کے کوئی نہین آدمی کا دوست | منظور اپنے حال کی اصلاح ہو اگر
اور دوست سے زیادہ نہین کوئی بدسگال | رکھتا ہے جو کہ دوست کے عیب اُس سے مستتر
گو قول ہے متین پہ جو کھتی سخن کی تہ | افسوس ہے حکیم کی پہونچی نہ وان نظر
دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہین مستفید | عیب اُنکے دوست کیون نہ جتائینگے بے خطر
اور جو کہ دوست سے نہین سن سکتے اپنے عیب | وہ دشمنون کے طعن سے کیا ہونگے بہرہ ور
جن کو خدا نے جوہر قابل دیا ہے یان | موقوف عبرت[1] اُنکی نہ دشمن نہ دوست پر

[1] عبرت و اعتبار نصیحت حاصل کرنا ۱۲

سخن سازی

ہے مردِ سخن ساز بھی دنیا میں عجب چیز — پا جائے کسی فن میں کہیں بند نہ اُس کو
موجود سخنگو ہوں جہاں واں ہیں طبیب آپ — اور جا کے ہیں بن آپ طبیبوں میں سخنگو
دونوں میں سے کوئی ہو تو آپ ہیں سب کچھ — پر ہیچ ہیں جس وقت کہ موجود ہوں دونو

عقل اور نفس کی گفتگو

نفس کو عقل نے چاہا کہ کرے خوار و زبوں (مغلوب ۱۲) — اپنے دعووں پہ بیاں کر کے دلیل و برہاں
کہا اے نفس نہیں تجھ میں مآل اندیشی — درد ہیں تیرے اسی واسطے سب بے درماں
ہے غنیمت تجھے وہ رات کی دم بھر کی خوشی — جس کا آتا ہے نظر نشتر از صبح زیاں
سود سے کچھ تجھے رغبت نہ زیاں سے پرہیز — تیرے نزدیک ہیں درد اور دوا سب یکساں
نہیں غفلت میں تجھے دین نہ دنیا کی خبر — یہ بھی ہے نیند کوئی موت کا ہے جس پہ گماں
نہ جوانی میں تجھے صبر نہ پیری میں شکیب — کبھی ہوتا نہیں کم تیری خودی کا طوفاں
کہیں جانے نہ دیا تک منزلِ مقصود سے تو — دیکھ جاتا ہے کدھر اور تجھے جانا ہے کہاں
ہاتھ دھو لذتِ فانی سے نہیں گر منظور — عیشِ باقی و حیاتِ ابدی سے حرماں
نفس نے عقل سے کی عرض کہ اے خضرِ طریق — وعظ پر تیرے ہے دنیا کہ فدا کیجیے جاں
پر نہیں حکم ترا کوئی عمل کے قابل — گو کہ حکمت سے بھرا تیرا سراسر ہے بیاں
نقد کو چھوڑنا اور نسیہ کی رکھنی امید — کوئی تسلیم کرے گا نہ اسے جز ناداں
ہے یہ ایک ایک مری لذتِ فانی وہ بلا — سو حیاتیں ابدی تیری ہیں جس پر قرباں
ایک اک بھوکے سے کہتا ہے کہ لے قابِ طعام — ایک تولے کرتا ہے پس از سالِ رواں
کیونکہ امید پہ اک مائدۂ نعمت کی — سال بھر صبر کرے گرسنگی میں انساں

عقل نے سن کے کہا خوف ہے تجھ سے النفس حرزہ تیرا تجھے دیکھیے پہونچائے کہان
حق کے پیرایہ مین ہوتا نہین باطل سرسبز کیجیے لاکھ بیان اسپہ دلیل و برہان
جان بلب بھوک سے ہو گرسنہ بالفرض اگر زہر دانستہ کرے نوش نہین یہ امکان
نہ کہین بھوک مین کھا بیٹھیو یہ لقمۂ نفس اسکے کھاتے ہی نہین جان کی خیر اے نادان

عادت کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط مین نے عادت سے کہا گھیر لی عقل ہوا و اندیش کی سب تو نے جلائے
ہنسکے عادت نے کہا کیا عقل ہے تجھ سے الگ مین ہی بنجاتی ہون نادان رفتہ رفتہ عقل و رائے

شعرا کو سلطنت مین دخل دینا

سنتے ہین یہ اک مدبر کی ہے رائے "چاہیے گر رونق علم زبان
شاعرون کو سلطنت کا کیجیے رکن جنپہ اسکی سب کا ئین ہین عیان"
رائے صائب ہے بظاہر اور متین گو کیا اس کا نہین کچھ امتحان
شعر و انشا کو تو ہو شاید فروغ ہے بہت کم پر خلاف اسکے گمان
سلطنت کا پر خدا حافظ ہے جب شاعرون کے ہاتھ ہو اسکی عنان
اور جو دو شاعر ہین ہندوستان کے شعر و انشا کو بھی ہے خوف زیان
ایک پر انمین سے چل سکتا نہین دوسرے کا جادوے حسن بیان
ایک جب چلنے نہ دیگا ایک کی پھر ترقی شعر و انشا کی کہان

لوگ کسی کی خوبیان سن کر اتنے خوش نہین ہوتے جتنے کہ اسکے عیب سنکر

اپنے عیبون کے ہین ہم جتنے کہ ممنون حالی اسقدر خوبیون کے اپنے نہین شکر گزار

لوگ جب عیب ہمارا کوئی سُن پاتے ہین — گو کہ کرتے ہین تاسف کا بظاہر اظہار
پر خوشی کا ہے یہ عالم کہ ہو رنج ان کو کمال — گر نصیبون سے وہ افواہ غلط پائے قرار
اور جو ہو گوش زد اُن کے کوئی خوبی اپنی — خوش تو پڑتی ہے بنانی انھین صورت ناچار
دل مین ہوتا ہے مگر غم کا یہ عالم اُنکے — کہ ملال اپنا چھپا سکتے نہین وہ زنہار
للہ الحمد کہ مخلوق کے خوش کرنے کا — نفس مین اپنے ہے سامان بہت کچھ تیار

شایستہ لوگون کا برتاؤ سائل کے ساتھ

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سوال — انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
مدت تک اُسکی جب یہی دیکھی گئی روش — پوچھا کسی نے اُس سے کہ اسکا سبب ہے کیا
بولا کہ عادت اِس لیے کی ہے یہ اختیار — چھُٹ جائے تا کہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا
پہلے جو بھاگوان سے ملتی تھی روز بھیک — آتا تھا مانگنے مین بہت بھیک کے مزا
پر جب سے ہے سوال کا اُس قوم پر مدار — منت سے عجز سے کبھی ملتا نہین ٹکا
امید ہے کہ مانگنے کی چھوٹ جائے لت — گرچند روز اور رہا ان سے سابقہ
آیا جواب سُن کے یہ اُس کا بہت پسند — کی آفرین اور اُس سے مخاطب نے یون کہا
پٹھو ہین جو کہ ملک مین تعلیم یافتہ — حق مین ترے مفید ہین یہ اُن سے بھی سوال
انگریز اگرچہ ہندیون کے حق مین ہین بخیل — اہلِ وطن پہ اُن کی مگر جان ہے فدا
پر جو کہ دیسیون مین ہین تعلیم یافتہ — دل کھائین ان پہ بھی نہین ان کا پسیجتا
انگریز اتنے اجنبیون سے نہین نفور — جتنے کہ یہ عزیز عزیزون سے ہین خفا
اہلِ غرض پہ کاٹنے کو دوڑتے ہین یہ — شایستگی کا زہر ہے جب سے انھین چڑھا

اسراف

اک مسرف نے یہ ممسک سے کہا — کب تک اے نادان یہ حب مال و زر

تو جو یوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ
ہے سدا دنیا ہی میں رہنا مگر؟

ہنس کے ممسک نے کہا اے سادہ لوح
زر لٹانا رائگاں اور اس قدر؟

آج ہی گویا بنصیب دشمنان
آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر

پاس نیکنامی

اے نیکنام شکر کر اللہ کا ادا
جس نے بنایا نیک تجھے کر کے نیکنام

ہوتا اگر نہ پاس تجھے نام نیک کا
پھر دیکھتے کہ کرتا ہے تو کیسے نیک کام

حاشا کہ تجھ کو خوف خدا کا ہو اس قدر
جتنا کہ خوف طعنہ و تشنیع خاص و عام

غرور نیکنامی

گئی ہے حد سے گذر جس کی نیکنامی
گمان بھی اس کی طرف نہیں جاتا

جو اسکے عیب قسم سے بیان کرے کوئی
خود اسکو عیب کا اپنے یقین نہیں آتا

کالے اور گورے کی صحت کا مڈیکل امتحان

دو ملازم ایک کالا اور گورا دوسرا
دوسرا پیدل مگر پہلا سوار راہوار

تھے سول سرجن کی کوٹھی کی طرف دونوں رواں
کیونکہ بیماری کی رخصت کے تھے دونوں خواستگار

راہ میں دونوں کے باہم ہوگئی کچھ مشت مشت
کوکھ میں کالے کی اک مکا دیا گورے نے مار

صدمہ پہنچا جس سے تلی کو بہت مسکین کی
آ کے گھوڑے سے لیا سائیس نے اسکو اتار

ٹھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی
چوٹ کے صدمہ سے غش کالے کو آیا چند بار

آخرش کوٹھی پہ پہنچ جا کے دونوں پیش و پس
ضارب اپنے پاؤں اور مضروب ڈولی میں سوار

ڈاکٹر نے آ کے دونوں کی سنی جب سرگذشت
تہ کو جا پہنچا سخن کی سن کے قصہ ایکبار

دی سند گورے کو لکھ کر تھی جسمین تصدیق مرض — اور یہ لکھا تھا کہ سائل ہے بہت زار و نزار
یعنی اک کالا جس کے پیرے کے گٹے سے مرے — کر نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زینہار
اور کہا کالے سے تو کل نہیں سکتی سند — کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر جاندار
ایک کالا پیٹ کے جو گورے سے فوراً مر جائے — آئے باور اسکی بیماری کا کیونکر اعتبار

خودستائی

اہل شہرت کون ہے جو خودستا نہین — پر خودستائی کے ہین عنوان جدا جدا
جو زیور خرد سے معرا ہین سادہ لوح — کرتے ہین خودبیان وہ بیان اپنی برملا
جو ان سے تیز ہوش ہین سو طرح سے وہ — پردے مین ہین کہتے ہین اسی مضمون کو ادا
کہتا ہے ایک کیسی حماقت ہوئی ہے آج — کمبل تھا ایک گھر مین سو سائل کو دیدیا
کہتا ہے دوسرا کہ گیا ہو کے منفعل — سائل کی جیب مین ہین دیا مال جب ملا
پردہ مین زہد کی کے چھپاتا ہے بخل یہ — اور زہد سے بیوقوف جتاتا ہے وہ سخا
کچھ اس لیے کہ ہم بھی سخن ہین سخن شناس — اہل وطن کی اپنے بہت کرتے ہین ثنا
کچھ اس لیے کہ اپنا ہو انصاف آشکا — کرتے ہین اپنی قوم کی تنقیص جا بجا
کہتا ہے ایک لاکھ نہ مانے برا کوئی — ہے عیب صاف گوئی کا ہم مین بہت بڑا
کہتا ہے ایک گر ہے خوشامد کا اور ہی — پر جانتے آدمی کو ہین کہہ کے ہم برا
دھوکا ہنر کا دے کے چھپاتا ہے عیب کو — اور شوخی سے درد کہہ کے دکھاتا ہے وہ صفا
ہے چاہتا ہر کوئی اپنی خوبیان — لیکن کہ یہ بیان ہو سب راست اور بجا
کہتا ہے اس پہ کوئی کہ حسن ظن ہے — کہتا ہے اک کہ جو دیا تم نے یون پوچھا
قانع ہو وہ انھین یہ ہو وصف جو بیان — اور چاہتا ہے یہ کہ ہو تعریف کچھ سوا
کہتا ہے نہ یہ عجز ہو شدت سے سادہ لوح — کہتا ہے سب کو نیک وہ اچھا ہو یا برا

کہتا ہے عمرو زید بھی کتنا ہے عیب مین — بد ہو کہ نیک اُسکی زبان سے نہین بچا
یہ اُس کا اور وہ اس کا بیان کرتے ہے کوئی عیب — ہر اک ہے اپنی اپنی بڑائی نکالتا
غیبت سے امید ہے کہ ہوتی جہان مین — ہوتا اگر یہ خاک کا پتلا نہ خود ستا
حالی جو تیرے کھول رہے ہین جہان کے — شاید کہ اُس سے آپ کا ہوگا یہ مدعا
یعنی کرا کہ پردہ مین کوئی چھپائے عیب — اپنی نظر سے رہ نہین سکتا کبھی چھپا
القصہ جسکو دیکھیے جاہل ہو یا حکیم — آزار مین خودی کے ہے بیچارہ مبتلا

حملۂ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفسِ دون ہمارے بس مین ہے — گر کبھی حملہ پہ اُسکے غالب آجاتے تھے ہم
پر جو دیکھا غور سے وہ بھبکیان تھین نفس کی — جن کو نادانی سے حملے اُسکے ٹھیراتے تھے ہم
جب کیا حملہ ہے عقل نے ہتھیار ڈال — زور بازو پر ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم

جس قوم مین افلاس ہو اُس مین بخل اتنا بدنما نہین جتنا اسراف

حالی سے کہا ہمنے کہ ہے اسکا سبب کیا — جب کرتے ہو تم کرتے ہو مسرف کی مذمت
لیکن بخلاف آپکے سب اگلے سخنور — جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلون کو ملامت
اسراف بھی مذموم ہے پر بخل سے کمتر — ہے جبسے کہ انسان کو بالطبع عداوت
حالی نے کہا رُک کے نہ پوچھو سبب اسکا — یارون کے لیے ہے یہ بیان موجب رقت
کرتے تھے بخیلون کو ملامت سلف اُس وقت — جب قوم مین افراط سے تھی دولت و ثروت
وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تونگر — پھر اسمین نہین بخل سے بدتر کوئی خصلت
اور اب کہ نہ دولت ہے نہ ثروت ہے نہ اقبال — گھر گھر پہ ہے چھایا ہوا افلاس و فلاکت
ترغیب سخاوت کی ہے اب قوم کو ایسی — پروانکی ہے چیونٹون کو جیسے ہدایت

رؤساے عہد کی فیاضی

کی رئیس شہر کی تعریف یاروں نے بہت — بر سبیل تذکرہ باہم جو ذکر اس کا چلا
بولے آج اُس کا نہیں مہمان نوازی میں نظیر — عاملان شہر مدعو اُسکے رہتے ہیں سدا
ضلع کے حکام کا ادنیٰ اشارہ چاہیے — پھر کوئی دیکھے سخاوت اُسکی اور بذل و عطا
یادگاریں جتنی ہیں اعیان دولت کی یہیں — انہیں صرف اسکی رقم ہے سب کے چندوں سے سوا
پالکی یا دگینٹ ہے جو سواری اُسکے پاس — اہلکاروں کے لیے ہر وقت بے چون و چرا
کیا کلکٹر کیا کمشنر کیا سپاہی کیا عسس — اُسکی ہمت کے ہیں سب مداح بے رو و ریا
جب یہ دیکھا مدح کا دفتر نہیں ہوتا تمام — جو کہ رہا تھا اُن سے حالی نے بصد منت کہا
عیب بھی اُس کا کوئی آخر کرو یارو بیان — سنتے سنتے خوبیاں جی اپنا متلانے لگا

ایمان کی تعریف

فقیہ شہر نے ایمان کی جو کی تعریف — تو دی چراغ سے اُسکو بہ آب و تاب مثال
کہا فتیلہ ہے اقرار باللسان ہے ضرور — جہاں ہو آتش تصدیق و روغن اعمال
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندنوں اک تیل[1] — نہیں ضرور فتیلہ کا جسمیں استعمال

برکت نفاق

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہے جنمیں ملاپ — دولت و بخت ہیں ہر حال میں اُنکے ہمراہ

---

[1] یعنی کروسین آئل جو بغیر بتی کے بھی جل سکتا ہے گویا حبیب کے نزدیک اقرار باللسان ایمان کی تعریف میں داخل نہیں ہے ۱۲

نہ انھین حاجتِ اعوان، نہ تلاشِ انصار　　نہ انھین خوفِ بد اندیش نہ بیمِ بدخواہ
پیر نہین رابطہ جس قوم مین اور نہ بھی　　اُسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ
نہ ملاذ اُن کے لیے قلعہ نہ خندق نہ فصیل　　نہ سفید اُن کے لیے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
ایک مُلّا نے سُنا جب یہ سخن فرمایا　　تکیہ اور اسقدر اسباب پہ کرنا ہی گناہ
اتفاق اور نفاق اصل مین کچھ چیز نہین　　دستِ قدرت کے ہے سب ہاتھ سفید اور سیاہ
وان نہ طاقت کی ضرورت ہے نہ کچھ پھوٹ کا ڈر　　پڑ گئی فضل کی مولا کے جدھر ایک نگاہ
کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دے ساتھ اگر　　کر دین افراد پراگندہ جماعت کو تباہ
پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم　　اُسکو جب دیکھا ہے، دیکھا ہے جتھون کے ہمراہ

بُعدِ صوری مانعِ قربِ معنوی نہین ہے

حالی نے جو رہنے کے لیے شہر مین اک گھر　　جا اپنے محلّہ سے کہین دور بسایا
جب اہل محلہ سے جدا ہو کے وہ رخصت　　دل دردِ جدائی سے عزیزون کا بھر آیا
ہمسایہ و احباب لگے کرنے سب افسوس　　اک دوست شکایت کا سخن لب پہ یہ لایا
بلّی کہ جو بے عقل ہے دم دیتی ہے گھر پر　　اتنی بھی محبت تمھین گھر سے نہین آیا
حالی نے کہا اُنس ہی چیز اور، وفا اور　　بلّی نے مزا پھل کا وفا کے نہین پایا
اُس مہر و وفا کے نہین بلّی پہ پڑی چھینٹ　　کتّے نے ہے جس کا کہ سبق ہمکو پڑھایا
ہم عشق ہین مکینون پہ وہ عاشق ہے مکان کی　　گھر بھول گئے ہم تو نہین تمکو بھلایا
گھر دلمین ہو یارون کا تو پھر گھر ہے برابر　　مشرق مین بسایا ہو کہ مغرب مین بسایا

ناصحِ مخلص اور اہلِ غرض مین تمیز

منصور نے یہ جعفر صادق سے عرض کی　　"محتاج ہے ہمیشہ سے ناصح کا ہر بشر

کرتے رہیں گر آپ کرم مجھ پہ گاہ گاہ
ہوتا رہوں گا پند سے حضرت کی بہرہ ور

فرمایا ہوتے ہیں تری صحبت میں جو شریک
لائیں گے وہ نہ حرف نصیحت زبان پر

اور جن سے ہو امید نصیحت وہ بالیقین
صحبت میں بیٹھنے سے کریں گے تری حذر

خادم آقا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں

کہتے ہیں خدام مامون کے بہت گستاخ تھے
ایک دن خادم کی گستاخی پہ مامون نے کہا

"کوئی آقا جبکہ خوش اخلاق ہوتا ہے بہت
پیش خدمت اسکے بد اخلاق ہوتے ہیں سدا

پر جو سچ پوچھو تو ہونا خادموں کا شوخ چشم
ہے دلیل اسکی کہ ہے خود خُلق آقا کا بُرا

کھو دیا ہیبت کو اپنی جس نے اور تمکین کو
اُس نے گویا ڈھا دیا رکن رکین اخلاق کا

خوشامد کرنے کی ضرورت

متوکل کا تیر چڑیا پر
ہو گیا اتفاق سے جو خطا

ابن حمدون ندیم تھا حاضر
کی خلیفہ کی مدح اور یہ کہا

"جن کو خلق خدا پہ شفقت ہے
خون بہانا نہیں وہ رکھتے روا

جا نہ سکتی تھی بچ کے تیرے وہ
تو نے دی قصداً اسکی جان بچا"

ابن حمدون نے کی یہ دانائی
کہ خوشامد سے یوں اُسے تھپکا

دور تھا ورنہ کیا خلیفہ سے
ہو کے اپنی خطا سے کھسیانا

جانے کچک ابن حمدون پر
تیر کا اپنے امتحان کرتا

ابن حمدون کی جان گو جاتی
دل تو ہوتا خلیفہ کا ٹھنڈا

رعیت پر نااہل کو مسلط کرنا

ہارون نے کہا مصر سخا ہاتھ جب آ سکے
فرعون کا تھا مصر ہی سے غرور پایا

وہ خطۂ ملعون تھا یہی جسکی بدولت ۔۔۔ تھا دل مین خدائی کا خیال اسکے سمایا
مین بھی اُسے اُس باغی طاغی کے علی الرغم ۔۔۔ اک بندۂ بیقدر کو بخشون گا خدایا"
کہتے ہین خصیب ایک غلام حبشی تھا ۔۔۔ جسپر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا
کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے ۔۔۔ نا اہل کے پنجہ مین اہالی کو پھنسایا
باڑی ہی گئی بہہ ایک برس نیل کی رو مین ۔۔۔ یہ حادثہ آ اس کو کسانون نے سنایا
فرمایا کہ روئی کی جگہ بوتے اگر اون ۔۔۔ ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اُٹھایا
ہارون نہ سمجھا کہ ودیعت ہے خدا کی ۔۔۔ محکوم ہے جو میری رعایا و برایا
فرعون کی مانند اگر وہ بھی سمجھتا ۔۔۔ اپنے کو خدا جس نے ہے عالم کو بنایا
جھگڑون مین نہ یون ڈالتا مخلوق کو اپنی ۔۔۔ اک سفلۂ ناکس کی بنا اس کو رعایا

رشک

ظاہرا مردون کی طینت مین نہین ہے رشک اسقدر ۔۔۔ ہے طبیعت مین وہ جتنا عورتون کی جاگزین
ایک شہزادی کہ اکلوتی تھی جو ماں باپ کی ۔۔۔ تخت شاہی پر ہوئی بعد از پدر مسند نشین
سلطنت مین اُسکی تھا مردون کو کلی اختیار ۔۔۔ عورتین اصلا دخیل اُسکی حکومت مین نہ تھین
مرد ہی تھے اسکے محرم مرد ہی اُسکے مشیر ۔۔۔ تھا نہ عورت کا پتا دربار مین اسکے کہین
تخلیہ مین ایک دن جب چند حاضر تھے ندیم ۔۔۔ ہنسکے فرمایا کہ اے دولت کے ارکان رکین
مرد ہونے کے سبب تم سے نہین مانوس مین ۔۔۔ بلکہ ہے انس اسلیے تم سے کہ تم عورت نہین
بات کی حسن بیان سے اُس نے دی صورت بدل ۔۔۔ تاکہ کوئی سوء ظن اُس سے نہ کر بیٹھے کہین
ورنہ یون کہتی کہ ہے عورت کی سیرت سے مجھے ۔۔۔ اس لیے نفرت کہ ہے مردون کی صورت دلنشین

قانون

کہتے ہین ہر فرد انسان پر ہے فرض ۔۔۔ ماننا قانون کا بعد از خدا

پر جو سچ پوچھو نہیں قانون ہین — جان کچھ مکڑی کے جالے سے سوا
اُنمین پھنس جاتے ہین جو کمزور ہین — اور ہلا سکتے نہین کچھ دست و پا
پر اسے دیتے ہین توڑ اک آن مین — جو سکت رکھتے ہین ہاتھون مین ذرا
حق مین کمزورون کے ہی قانون ہ — اور نظر مین زورمندون کی ہے لا

شادی قبل از وقت بلوغ

جب تک نہ شاہزادہ اٹھارہ سال کا ہو — تخت پدر پہ اُسکو ممنوع ہے بٹھانا
قانون ہے بنایا یہ اُن مقننون نے — عالم مین آجکل جو مانے ہوے ہین دانا
لیکن کرین نہ اسکی قبل از بلوغ شادی — کہتے ہین وہ عبث ہو قانون یہ بنانا
نزدیک اُن کے گویا برغم عقل و دانش — ہے کنگڈم سے آسان میڈم کو بس مین لانا

حرص

اثناے وعظ مین ہی تکیہ کلام واعظ — قدر قلیل ہو سب مال و منال دنیا
گویا کہ حرص اسکی اس سے کبھی نہین ہے — ہے جسقدر فراہم پاس اسکے مال دنیا

امرا اور عقلا

جاتے ہین اگر پاس امیرون کے خردمند — وہ جانتے ہین جو کہ ہے جانے کی ضرورت
پر اپنی ضرورت سے خبردار نہین ہین — ملتے عقلا سے نہین جو صاحب ثروت
بیمار کے محتاج ہین جتنے کہ اطبا — بیمار کو کچھ اس سے سوا ان کی ہے حاجت

عصمت بی بی از بے چادری

اے بینواؤ ہنستے ہو کیا مفلسوں پہ تم
اخلاق میں کچھ اُن کے اگر آ گیا بگاڑ
تم زد سے نفس کی ہو جبھی تک بچے ہوئے
ہو جب تلک کہ پکڑے ہوئے مفلسی کی آڑ
اسباب جو کہ جمع ہیں منعم کے گرد پیش
گر تم کو ہو نصیب تو دنیا کو دو اجاڑ

سچ کہاں ہے

دیکھنے ہوں تمھیں گر جھوٹ کے انبار لگے
دیکھ لو جا کے خزانوں میں کتب خانوں کے
سچ کو تحریروں میں پاؤ گے نہ تقریروں میں
سچ کہیں ہو تو وہ سینوں میں ہو انسانوں کے

اپنا الزام دوسروں پر تھوپنا

کھوٹ کاریگر سے جب کوئی بگڑ جاتا ہے کام
اپنے اوزاروں کو وہ الزام دیتا ہے سدا
افسروں کا بھی یہی شیوہ ہے وقت بازپرس
اپنے ماتحتوں کے سر دیتے ہیں کل سب اپنی خطا

خوشامد کے معنی

خوشامد کرتے ہیں آ آ کے جو لوگ
تمھاری ہر دم اے ارباب دولت
خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم
وہ گویا تم کو کرتے ہیں ملامت
کہ جتنی ہیں بیان اُن کی خصلتیں نیک
نہیں اُن میں سے تم میں ایک خصلت

تدبیر قیام سلطنت

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح
واں پاؤں جمانے کے لیے تفرقہ ڈالو

اور عقل خلاف اُسکے تھی یہ مشورہ دیتی — یہ حرف سُبک بھول کے منھ سے نہ نکالو
پیر رائے نے فرمایا کہ جو کہتی ہے تدبیر — مانو اُسے۔ اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو
کرنے کے ہین جو کام وہ کرتے رہو لیکن — جو بات سُبک ہو اُسے منھ سے نہ نکالو

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر — مردون کی حکومت مین ہے ملکون کی بُری گت
لیکن بخلاف اسکے ہے عورت کا جہان راج — وان ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت
فرمایا کہ ہوتے ہین جہان مرد جہاندار — قبضہ مین ہے وان عورتون کے دولت و مکنت
اور سر پہ ہے عورت کے جہان افسر شاہی — سمجھو کہ ہے اس ملک مین مردون کی حکومت

مغرور کی پہچان

غرور زید کی کرتا ہے گر شکایت عمرو — تو سمجھو کرتا ہے اپنے غرور کا اظہار
جنھون نے آپ کو سب سے سمجھ لیا ہے بڑا — بڑائی دیکھ نہین سکتے غیر کی زنہار

کام اچھا کرنا چاہیے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے — اُس نے کی تاخیر اس نے جسقدر اچھا کیا
کب کیا کیونکر کیا یہ پوچھتا کوئی نہین — بلکہ ہین یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا

گدائے مبرم

اک برہمن مورتی کے سامنے با صد نیاز — مانگتا تھا ہاتھ پھیلائے دعا بیٹھا کہین
آن نکلا ناگہان اک مانگتا کھاتا ادھر — دیکھ محویت برہمن کی گیا بس جم وہین

بھی ہین آیا چھیڑ کر فتایل برہمن کو کرے — تا کہ پوجے کچھ نہ کچھ یارون کو ہو کر شرمگین
مورتی کے سامنے جب کر چکا وہ التجا — با نوا بولا کہ ہے تو بھی عجب کوتاہ بین
مورتی کچھ تجکو دے گی اور نہ دیسکتی ہے وہ — ناحق اتنی التجا مین اسکے آگے تو نے کین
ہنسکے برہمن نے کہا ہے مانگنا بندہ کا کام — دے نہ دے وہ اس سے کچھ مطلب نہین لینے نہین
ہم نہین دیتے ڈھٹی تم جیسے ڈھیٹون کی طرح — ہاتھ پھیلاتے ہین لیکن پانون پھیلاتے نہین

بے اعتدالی

تم اے خود پرستو طبیعت کے بندو — ذرا وعظ اپنے سنو کان دھر کے
نہین کام کا تمکو اندازہ ہرگز — جدھر ڈہل گئے ہو رہے بس ادھر کے
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت — تو چیخ اٹھے دو دن مین ہمسایے گھر کے
جو مجرے مین بیٹھو تو اٹھو نہ جبتک — کہ اٹھ جائین ساتھی سب ایک ایک کر کے
اگر تاش پڑے چوسر اور گنجفہ پر — تو فرصت ہے شاید اب تمکو مر کے
پڑا پیچ بازی کا لپکا تو جانو — کہ بس کٹ گئے عزم جنگ تتر کے
چڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پر — تو پھر گھاٹ کے آپ ہین اور نہ گھر کے
ہوے تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو — کہ چھوڑین گے اب آپ قولنج کو بھر کے
جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی — رہین پانون کے ہوش جنمین نہ سر کے
جو کھانا تو بیحد جو پینا تو اٹ گٹ — غرض یہ کہ سرکار ہین پیٹ بھر کے

طبیب اپنے بیمارون کے مرنے پر مغموم کیون نہین ہوتے

بشر کے صدمے سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال — کہ ایک جڑ کی ہین سب ٹہنیان صغار و کبار
یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے — تو اور بھی اسے دیتا ہے انفعال فشار
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہین طبیب ملول — جو چل بسے کوئی ان کے علاج مین بیمار

وہ جانتے ہیں کہ چھپ جائیگی خطا ہم پر ۔ گیا ملال کا اپنے اگر اس جگہ اظہار

اپنی ایک ایک خوبی کو بار بار ظاہر کرنا

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہو قوی ۔ پر بھول چوک ہے بشریت کا مقتضا
ہوتا ہے اس سے کارِ نمایاں کوئی اگر ۔ کرتا ہے بار بار بیان اسکو برملا
یہ تو وہ بھولتا نہیں ہرگز کہ چاہیے ۔ ہر بار اپنی مدح کا پیرایہ اک جدا
پر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اسکو یاد ۔ یاروں سے میں بیان ابھی کر چکا ہوں کیا
بھولے نہ اپنی یاد یہ انسان کو چاہیے ۔ آخر بشر کا خاصہ ہے سہو اور خطا

فضول خرچی کا انجام

سرے پہ راہ کے بیٹھا تھا اک گدائے ظریف ۔ جہاں سے ہو کے گذرتے تھے سب صغیر و کبیر
ہر اک سے ایک درم مانگتا تھا بے کم و بیش ۔ سخی ہو امین کہ ممسک غریب ہو کہ امیر
فضول خرچ تھا بستی میں ایک دولتمند ۔ کہ جسکا تھا کوئی اسراف میں نہ شبہ و نظیر
ہوا جو ایک دن اس راہ سے گذر اسکا ۔ درم اک اس نے بھی چاہا کہ کیجیے نذر فقیر
کہا فقیر نے گو اپنی یہ نہیں عادت ۔ کہ لیں درم سے زیادہ کسی سے ایک شعیر
پہ لوں گا آپ سے میں پانچ کم سے کم دینار ۔ کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں زوال پذیر
یہی اللّلے تللّے رہے تو آپ کو بھی ۔ ہماری طرح سے ہونا ہے ایک روز فقیر
سو وقت ہے یہی لینے کا خود بدولت سے ۔ دکھائے دیکھیے پھر اسکے بعد کیا تقدیر

اختلاف مذاہب رفع نہیں ہوسکتا

غیر ممکن ہے کہ اٹھ جائے دلیل و حجت سے ۔ جو چلا آتا ہے باہم اہل مذہب میں خلاف

ہو نہیں سکتا مطابق جبکہ دو گھڑیوں کا وقت
رفع ہو سکتے ہیں پھر کیونکر ہزاروں اختلاف

انسان جو اشرف المخلوقات ہے سب سے زیادہ موردِ آفات ہے

دل پہ جو کیفیتیں ہیں ناگوار
دو ہیں اُنہیں سے نہایت جانگزا

ایک فکر اُس آنے والے وقت کی
شک نہیں ہے جسکے آنے میں ذرا

دوسرے چوٹیں زبانِ خلق کی
زخم جن کا زخم ہے تلوار کا

اور بھی حیوان ناطق کے لیے
ہیں بہت سی زحمتیں انکے سوا

پر گدھے اور اور حیوانات سب
رہتے ہیں دور ان گزندوں سے سدا

کیسا ان آلام سے رہتا نچنت
اشرف المخلوق اگر ہوتا گدھا

چنڈو بازی کا انجام

ایک متوالے سے چنڈو کے وہ تھا ہوش میں جب
پوچھا ناصح نے کہ اس کام کا آخر انجام؟

بولا انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم
زندگانی کو وداع اور جوانی کو سلام

آنکھ میں اپنے پرائے کی ٹھہرنا بیقدر
شہر کے کوچہ و بازار میں رسوا بدنام

جس سے عقبیٰ ہو درست ایسا نہ ہونا کوئی اپج
جس سے دنیا میں ہو نام ایسا نہ کرنا کوئی کام

ہم پہ آئینہ ہے جو حال ہے ہونا اپنا
نفس سرکش کے مگر ہاتھ میں ہے اپنی زمام

کہا ناصح نے کہ انجام ہو معلوم اگر
لے نہ اس زہر ہلاہل کا کوئی بھول کے نام

یہ تو کہتے ہو کہ انجام بُرا ہے لیکن
یہ بتاؤ کہ بُرا ہوتا ہے کیسا انجام

بُرے انجام کی تب ہوگی حقیقت روشن
بُرے انجام سے جب آکے پڑے گا خود کام

مرنے والے ہی کو ہے موت کی لذت معلوم
گو کہ رکھتے ہیں یقیں موت کا سب پختہ و خام

قوم کی پاسداری

اک مسلمان خاص انگریزوں پہ تھا یوں نکتہ چیں
پاس ان لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر

چاہتے ہیں نفع پہنچے اپنے اہل ملک کو
گو کہ اُن کے نفع میں ہو ایک عالم کا ضرر

کارخانہ کا یہ راجس سے کبھی جا کر نہیں
اسکا ہو بیچارہ ہندی بیچنے والا اگر

خود بھی چیزیں جہاں تک بنتی ہیں لیتے نہیں یہاں
اُن کو لندن سے منگا لیں بس چلے انکا اگر

الغرض اہل وطن کی پاسداری کو یہ لوگ
جانتے ہیں دین و ایمان اپنا۔ قصہ مختصر

سُن کے حالی نے کہا یہ جوہر انگریزوں کا ہے
آپ سے ہیں ایک قوم اس عیب سے آلودہ تر

ہیں محبت میں سب اندھے اپنی اپنی قوم کے
یہ وہ خصلت ہے کہ مجبول اس پہ ہے طبع بشر

کھلیاں جیسی نکلی جاتی ہیں پاس قوم میں
اچھے اچھے راستباز اور حق پسند و دادگر

ہاں بری اس عیب سے دیکھے اس دنیا میں ہیں
چشم بددور امت مرحوم اے جان پدر

اور قوموں سے انھیں لوگوں کو ہے یہ امتیاز
حملہ جب کرتے ہیں یہ کرتے ہیں اپنی فوج پر

ہو گا خوف ایسا نہ دشمن کو کسی دشمن کا یاں
جسقدر ہے ان سے اپنوں اور بیگانوں کو خطر

غزلیات قدیم و جدید

چونکہ بہت سی ردیفین قدیم غزلیات مین اور بہت سی جدید غزلیات مین نہین تھین۔ اسلیے ہر ایک ردیف مین دونون قسم کی غزلین ملا جلا کر لکھدی گئی ہین۔ اور تمیز کے لیے ہر قدیم غزل کے شروع مین حاشیہ پر حرف ق لکھدیا گیا ہے تاکہ ناظرین اندازہ کر سکین کہ قدیم و جدید غزل مین کیا فرق ہے۔

قبضہ ہو دلون پر کیا اور اس سے سوا تیرا اک بندۂ نافرمان ہے حمد سرا تیرا

گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا بندے سے مگر ہوگا حق کیونکہ ادا تیرا

محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم کچھ کہہ نہ سکا جس پر یان بھید کھلا تیرا

جچتا نہین نظرون مین یان خلعتِ سلطانی کملی مین مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

قطعہ

۱ عظمت تری مانے بن کچھ بن نہین آتی یان ہین خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا

۲ تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیط اُن کو جو رنج و مصیبت مین کرتے ہین گلا تیرا

۳ نشہ مین وہ احسان کے سرشار ہین اور بیخود جو شکر نہین کرتے نعمت پہ ادا تیرا

۴ سمجھا ہے پرے تجکو ادراک کی سرحد سے جس قوم نے رکھا ہے انکار روا تیرا

۵ طاعت مین ادب تیرا عصیان سے ہے گو بڑھ کر عصیان مین ہیچ طاعت سے اقرار سوا تیرا

آفاق مین پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا[1] تیرا

ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گذرتا ہے
کچھ رنگ بیان حالی ہے سب سے جدا تیرا

[1] یہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف الا ان للہ نفحات فی الدھر الا فتعرضوا لها یعنی خدا کی خوشبوئین زمانہ مین پھیلی ہوئی ہین سو ان کا آگاہ ہو اور ان کو ادہر نہ جانے دو ۱۲

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا

ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ
ہر دل پہ چھا رہا ہے رعب جمال تیرا

کاوش میں ہے الٰہی دُگدا میں ہی طبیعی
جو حل ہوا نہ ہوگا وہ ہے سوال تیرا

چھوٹے ہوئے ہیں گو جی۔ پر دل بندھے ہوئے ہیں
ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا

گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالتے رہے ہیں
لیکن ٹلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا

پھندے سے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی
پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا

اُن کی نظر میں شوکت جچتی نہیں کسی کی
آنکھوں میں بس رہا ہے جن کی جلال تیرا

دل ہو کہ جان۔ تجھ سے کیونکر عزیز رکھیے
دل ہے سو چیز تیری جان ہے سو مال تیرا

ہر پیر زال سے دل اُس کا قوی زیادہ
رکھتی ہے آسرا یاں جو پیر زال تیرا

ہے پاس دستوں کے تیری ہی نشانی
یارب کبھی نہ پائے زخم اندمال تیرا

بیگانگی میں حالی۔ یہ رنگ آشنائی
سُن سُن کے سر دُھنیں گے قال اہل حال تیرا

رہبر میں دشت جنوں کی تیرے عجب مزا خوشگوار دیکھا
نہ اُس سفر میں تکان دیکھی نہ اُس نشے میں خمار دیکھا

نہ جی رُکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے نیازی سے آس ٹوٹے
رہے نہ نامراد جو یاں اُنھیں بھی امیدوار دیکھا

رُخ جہان سوز تیرا دیکھا نظارہ افروز جس چمن میں
نہ بلبل و گل میں واں تعلق نہ سرو قمری میں پیار دیکھا

سوار محمل کی جستجو میں ہزاروں دشت طلب میں دوڑے
نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ فقط کچھ اُٹھتا غبار دیکھا

جو لاکھ میں ایک پر کہیں کچھ کُھلا کُھلی قسمت سے بھید تیرا

ملا نہ کھوج اس کا پھر کسی کو ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا

لگن میں تیری نکل گئے جو نہ جھجکے دریائے پُرخطر سے
گئے وہ کود آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

بچے ہوئے کاہشوں سے یاں کی وہی ہیں جو تیرے ہو رہے ہیں
وگرنہ زخموں سے حادثوں کے ہر ایک سینہ فگار دیکھا

چمن میں بھولے سے جا بھی نکلے اگر کبھی داغدار تیرے
گل ان کی نظروں میں چبھتے دیکھا کھٹکتے آنکھوں میں خار دیکھا

خبر نہیں یہ کہ کیا ہے کیسا ہے کون ہے اور تو کہاں ہے
پہ اپنے میں اور تجھ میں ہم نے علاقہ اک استوار دیکھا

سلوک ہیں تیرے سب سے یکساں وہ گبر و ترسا ہوں یا مسلماں
نہ اُن سے کچھ تیرا بیر پایا نہ ان سے کچھ تیرا پیار دیکھا

سپر بھی دی تو نے تیغ بھی دی مگر دیے ہاتھ باندھ سب کے
جنہیں تھا یاں اختیار سب کچھ انہیں بھی بے اختیار دیکھا

بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے جینے سے فائدہ کیا
ہمیشہ بیکار تجھ کو پایا کبھی نہ سرگرم کار دیکھا

پردہ ہوا کہ گیسوئے شب عید کا — چھپتا نہیں جلال ہلال سعید کا
مضموں ہو نقش دل میں لدنیا مزید کا — کونین سے بھریگا نہ دامن امید کا
قفل در مراد سب اک بار کھل گئے — چھوڑا جب آرزو نے بھروسا کلید کا
دیکھا ہے ہم نے عالم رحمت کو غور سے — ہے گوشہ جنت میں حظ دل ناامید کا
ق
مجرم کریم کی ہیں سبھی گر پردہ داریاں — انجام ایک ہوگا شقی و سعید کا
جب تک یہاں ہے جذبۂ توفیق درمیاں — یاں امتیاز کیا ہے قریب و بعید کا

ہر آسمان پہ تیرے جگر خوار کا داغ　　خون جگر مین نشہ ہو جام نبید کا
تسکین نہین مشاہدۂ گاہ گاہ سے　　یا رب یہ روزہ دار ہو مشتاق عید کا
دوزخ ہے گر وسیع تو رحمت وسیع تر　　لا تقنطوا جواب ہو ھل من مزید کا

حالی کی ہین اگر یہی شیوا بیانیان
لیگا نہ کوئی نام ظہیر و رشید کا

نعت

یا ملکی الصفات یا بشری القوی　　فیک دلیل علے انک خیر الورے
تجھ سے ہوئی زندہ خلق جیسے کہ باران سے خاک　　خلقک خصب الزمان لطفک حیا الورے
دعوے روشن ترا ثابت سبے بے بینہ　　صورت و سیرت تری صدق پہ تیرے گواہ
قال ترا اور حال نشۂ وحدت مین چور　　اوڑھنا تیرا خدا اور بچھونا خدا
غیب سے بھیجا تجھے تا پتا پھرتا تھا جب　　دشت مین بھٹکا ہوا قافلے بے رہنما
اٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت　　جیسے کہ ہنگام قحط قبلے سے اٹھے گھٹا
شان رسالت کی تھی تیری جبین سے عیان　　گود سے دایہ ابھی کرنے چکی تھی جدا
گلہ تھی سعد کا جب کہ ترا اشتغال　　گلہ آدم تجھے سونپ چکی تھی قضا
دوڑ پڑے سنتے ہی حق کے شناسے ترا نام　　انبیون کے جب پڑی کان مین تیری صدا
راہب و قسیس چھوڑ کے گئے دل تھام کر　　دیکھ کے تیرا قدم ہم قدم انبیا
خاک تھی جس ملک کی عزت سے شور و فساد　　تو نے اسی کو دیا ارض مقدس بنا
تو نے تحمل کیا قوم کا ظلم تھا جب　　جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترحم کیا
چھوڑ گئے تھے سلف قوم پہ اوچھے بہت　　تو نے کیا دام دام قرض سبھان کا ادا
تو نے کیا ستر حق جا رہنما ی تاپش　　ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا
چوٹ سے حق کی رہا دل نہ اچھوتا کوئی　　ایک کے چرکا لگا ایک کو گھائل کیا

حجت حق کرچکا دین ترا جب تمام — پھر نہ کسی دین کا رنگ جہان مین جما
دیر[۱] ہوے بے چراغ اور صلوات یہود — شرک ہوا مضمحل اور کہانت ہبا
بجھ گئے آتشکدے بیٹھ گئے بتکدے — ہو گئی تثلیث مات اور ثنویت[۲] فنا
اُٹھے بہت مدعی جیسے کہ ساون مین گھانس — مزبلہ پر چند روز باقی ہے نشو و نما
غیرتِ حق نے مگر جلد لیا انتقام — رل گئے اُٹھ اُٹھ کے سب خاک مین اہل ہوا
رہ گیا نامِ سجاح[۳] کذب مین ضرب المثل — اسود و ابن کثیر خوار ہوے بر ملا
سلسلۂ انبیا ختم نہ ہوتا۔ اگر — حق کی حقیقت سے تو پردہ نہ دیتا اُٹھا
آتے ہی چشمہ دیا تو نے کنوئین سے نکال — جسکو چلے آتے تھے کھودتے سب انبیا
بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل مین کچھ — بھیج چکا تیرے ہاتھ ملتِ بیضا خدا

تجھ پہ صلوٰۃ و سلام ربِ سمٰوات سے
روز و شب و صبح و شام قدر برال وجے

اے عشق تو نے اکثر قومون کو کھا کے چھوڑا — جس گھر سے سر اُٹھایا اسکو بٹھا کے چھوڑا
ابرار تجھ سے ترسان احرار تجھ سے لرزان — جو زد پہ تیری آیا اسکو گرا کے چھوڑا
راؤن کے راج چھینے شاہون کے تاج چھینے — گردن کشون کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا
کیا منعمون کی دولت کیا زاہدون کا تقوے — جو گنج تو نے تاکا اُسکو لٹا کے چھوڑا
جس رہگذر مین بیٹھا تو غول راہ بن کر — صنعان سے راست رو کو رستہ بھلا کے چھوڑا
فرہاد کوہکن کی لی تو نے جان شیرین — اور قیس عامری کو مجنون بنا کے چھوڑا

[۱] دیر۔ راہبون کا کلیسا۔ صلوات۔ یہودیون کا کلیسا۔ ہبا۔ غبار ناچیز ۱۲ [۲] مجوسی جو دو خدا ایک خالق خیر اور ایک خالق شر یعنی یزدان اور اہرمن کو مانتے ہین اس عقیدہ کو ثنویت کہتے ہین۔ ۱۲ [۳] سجاح ایک عورت مدعیہ نبوت کا نام ہے جس کا کذب عرب مین ضرب المثل ہے چنانچہ کہتے ہین هو اکذب من سجاح اور اسود عنسی اور مسیلمہ جسکی کنیت ابن کثیر ہے یہ دونون مدعی نبوت تھے جو آخر کار قتل کیے گئے ۱۲

یعقوب سے بشر کو دی تو نے نا صبوری — یوسف سے پارسا پر بہتان لگا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونو ہین دلگداز تیرے — پتھر کے دل تھے جن کے انکو رُلا کے چھوڑا

عقل و خرد نے تجھسے کچھ چپقلش جہان کی — عقل و خرد کا تو نے خاکا اُڑا کے چھوڑا

علم و ادب رہے ہین کَلیے ترے ہمیشہ — ہر معرکہ مین تو نے اُن کو دلا کے چھوڑا

افسانہ تیرا رنگین روداد تیری دلکش — شعر و سخن کا تو نے جادو بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اُسکے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

دیکھ اے امید کیجو ہم سے نہ تو کنارا — تیرا ہی رہ گیا ہے لے دیکے اک سہارا

یون بے سبب زمانہ پھرتا نہین کسی سے — اے آسمان کچھ اسمین تیرا بھی ہے اشارا

میخانہ کی خرابی جی دیکھکر بھر آیا — مدت کے بعد کل وان جا نکلے تھے قضارا

اک شخص کو توقع بخشش کی بے عمل ہے — اے زاہدو تمھارا اسمین کیا اجارا

دنیا کے خرخشون سے چیخ اُٹھے تھے ہم اول — آخر کو رفتہ رفتہ سب ہوگئے گوارا

توفیق نے ہمیشہ لی تنت پر خبر یان — جب ناؤ ڈگمگا لی پاس آگیا کنارا

انصاف سے جو دیکھا نکلے وہ عیب سارے — جتنے ہنر تھے اپنے عالم مین آشکارا

افسوس اہل دین بھی مانند اہل دنیا — خود کام و خودنما ہین خودبین ہین اور خودآرا

امت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر — اسلام ہے فقیہو ممنون بہت تمھارا

کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چین ہوئے چپ — سب کچھ کہا اُنھون نے پر ہمنے دم نہ مارا

حالی سے کام ہے یان فعلون سے اسکے کیا کام
اچھا ہے یا برا ہے پھر یار ہے ہمارا

رونا نہو گا حالی شاید یہ کم تمھارا — جب دیکھو آنسوؤن سے دامن ہے نم تمھارا

سلہ دلانا۔ کشتی دلانا۔ یعنی پچھاڑنا۔ اکثر کشتی کا لفظ حذف کرکے صرف دلانا بولتے ہین۔ ۱۲

الفت میں دم بدم کچھ لذت ہے بڑھتی جاتی چھوڑے گا کیا کہ شاید عاشق کو غم تمہارا

عاقل ہیں شہر میں کم ناداں بہت ہیں اعدا ہے مصلحت کہ اکثر بھرتے ہیں دم تمہارا

دلجو نہیں کوئی یاں چھپتا ہے صنم پرستو دلکش بہت تھا ورنہ بیت الصنم تمہارا

گاہک کی قدر سے جب قیمت نہ پا سکے تم اپنی نظر میں ہوگا گر وزن کم تمہارا

دشت طلب کے رستو طے ہوگئے کس طرح تم آتا نہیں سمجھ میں کچھ پیچ و خم تمہارا

دو بیوؤں کو بھی کچھ جسم کے جانشینو بس جام جم ہمارا اور ملک جم تمہارا

روسی ہوں یا تتاری ہم پیشوں میں گر کیا دیکھا ہے ہم نے برسوں لطف و کرم تمہارا

کھولی ہیں تم نے آنکھیں اوجاڑ تو ہماری احساں ہے یہ جو آخر بھولیں گے ہم تمہارا

ہوتے ہی تم تو سپید لیکن رہ دیے سوار سہمے لگے ہیں یاں ایک ایک قدم تمہارا

رستے میں گر ٹھہرتے تو تم بھی جا ملو گے گذرا ابھی ہے یاں سے خیل و حشم تمہارا

پھرتے ادھر ادھر ہو کس کی تلاش میں تم گھر ہے تمھیں میں یارو باغ ارم تمہارا

جا رو تم تو ہم دل سے ہو حالی
پھر کے کبھی دکھانا صورت ذرا تمہارا

وہ دل ہے شگفتہ نہ وہ بازو ہیں توانا پہنچا ہی ہے بس اب کوچ کا تم کچھو زمانا

خود پھر وطن سے ہو وداع اب کے سفر میں جاتا ہے وہاں پھر کے جہاں سے نہیں آنا

دلّی سے نکلتے ہی ہوا جلنے سے دل سیر گویا نہ رہا اب کہیں دنیا میں ٹھکانا

یارب طلب وصل ہو یا ہو طرب وصل جس دن کہ یہ دونوں ہوں وہ دن نہ دکھانا

دنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و حرمان کھل جائے تم پر اس زال فسونگر کی ادا نا

افسوس کہ غفلت میں لٹا عہد جوانی تھا اس سے بہت کام مگر ہم نے نہ جانا

یاروں کو ہمیں دیکھ کے عبرت نہیں ہوتی اب حال ہے یہ اپنا کہ ہے ہم کو ستانا

دنیا میں اگرچہ کبھی فراغت کا کوئی دن وہ دن ہے کہ جب دل ہو بے فکر تو جانا

لی ہوش مین آنے کی جو ساقی سے اجازت — فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانا

ڈھارس سی کچھ ای ہمقدمو تم سے بندھی ہے
حالی کو کہین راہ مین تم چھوڑ نہ جانا

جہان مین حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجیے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجیے گا

ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی۔ نہ جاننا اُس کو غیر ہرگز
جو اپنا سایہ بھی ہو تو اُس کو تصور اپنا نہ کیجیے گا

سُنا ہے صوفی کا قول ہے یہ کہ ہے طریقت مین کفر دعوی
یہ کہہ دو دعوی بہت بڑا ہے پھر ایسا دعوی نہ کیجیے گا

اسی مین ہے خیر حضرتِ دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہمکو
کرے وہ یاد اُس کی بھول کر بھی کبھی تمنّا نہ کیجیے گا

کہے اگر کوئی تمکو واعظ کہ کہتے کچھ اور کرتے ہو کچھ
زمانہ کی خو ہے نکتہ چینی کچھ اس کی پروا نہ کیجیے گا

کمال ہے ضد بے کمالی۔ نہین ملاپ اُن مین حرف گیرا
جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجیے گا تو آپ بیجا نہ کیجیے گا

لگاؤ تم مین نہ لاگ زاہد نہ دردِ اُلفت کی آگ زاہد
پھر اور کیا کیجیے گا آخر جو ترک دنیا نہ کیجیے گا

تمہارا اتھا دوستدار حالی اور اپنے بیگانہ کا رضا جو
سلوک اُس سے کیے یہ تم نے تو ہمسے کیا کیا نہ کیجیے گا

ہو عزم دیر شاید کعبہ سے پھر کر اپنا — آتا ہے دور ہی سے ہمکو نظر گھر اپنا
تیہ خبر ہین بستے آتے نہین نظر ہم — وحشت رہیگی دل کی دکھلا کے جوہر اپنا

پیرِ مغان سے ہو کر تب سرخرو ملینگے — فضل و ہنر کا ہوگا جب چاک محضر اپنا
بیگانہ وش ہو گر وہ تو ہو ہمارے ڈھب کا — ایسون ہی سے نبھا ہے یارانہ اکثر اپنا
عصمت پہ اپنی تھی خود فطرت گواہ اپنی — کر بیٹھے اپنے ہاتھون ہم چاک محضر اپنا
کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذبِ حق نما ہے — یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

غیرون کو لینگے آخر اپنا بنا کے کیا ہم
اپنون ہی سے ہے حالی کچھ دل لگا اپنا

معنے کا تم نے حالی دریا اگر بہایا — یہ تو بتائیں حضرت کچھ کر کے بھی دکھایا
اے بانگِ طبلِ شاہی دن ہو گیا جب آخر — خوابِ گران سے تو نے ناحق ہمین جگایا
تھا ہوش یادِ گل کا دورِ خزان مین کس کو — اے عندلیبِ نالان یہ تو نے گل کھلایا
ویران ہے باغ تس پر پھولی نہین سماتی — مژدہ صبا نے یارب بلبل کو کیا سنایا
اے عشق دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دین کا — گھر ہی بگاڑ ڈالا تو نے بنا بنایا
ڈرتے رہین گے اب ہم بےجرم بھی سزا سے — احسان اس کا جس نے ناحق ہمین ستایا
واعظ کی حجتون سے قائل تو ہو گئے ہم — کوئی جواب شافی پر اس سے بن نہ آیا
آیا نہ تھا کبھی یان گویا قدم خزان کا — دو دن مین یون پلٹ دی کس نے چمن کی کایا
تقلیدِ قوم ہی پر گر ہے مدارِ تحسین — تو ہمنے دوستون کی تحسین سے ہاتھ اٹھایا

دیکھا تو کچھ نظر مین حالی جچا نہ اپنی
جو جو گمان تھے ہمکو انکا نشان نہ پایا

نفس دعویٰ بیگناہی کا سدا کرتا رہا — گرچہ اُترے جی سے دل اکثر ایا کرتا رہا
حق نے احسان مین نہ کی اور مین نے کفران مین کمی — وہ عطا کرتا رہا اور مین خطا کرتا رہا
چوریون سے دیدہ و دل کی نہ شرمایا کبھی — چپکے چپکے نفسِ خائن کا کہا کرتا رہا
واعظون کی ضد سے بچ بچ کر چلا راہِ خطا — وار اُن کا اس لیے اکثر خطا کرتا رہا

نفس مین جو ناروا خواہش ہوئی پیدا کبھی — اُس کو جیلے دل سے گھُٹ گھُٹ کر ردا کرتا رہا
مُنھ نہ دیکھین دوست پھر میرا اگر جانین کہ مین — اُن سے کیا کہتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا
تھا نہ استحقاق تحسین پر سنی تحسین سدا — حق ہے جو دو دن ہمتی کا وہ ادا کرتا رہا
شہرت اپنی جسقدر بڑھتی گئی آفاق مین — کبر نفس اتنا ہی یان نشو و نما کرتا رہا

ایک عالم سے وفا کی تونے اے حالی مگر
نفس پر اپنے سدا ظالم جفا کرتا رہا

کہین الہام منوانا پڑے گا — ۱ کہین کشف اپنا جتلانا پڑے گا
نہ ہو صوفی صفا گو تجھ مین لیکن — ۲ کرشمہ کوئی دکھلانا پڑے گا
نصیحت بے اثر ہے گر نہو درد — یہ گر ناصح کو بتلانا پڑے گا
جنھین ہو جھوٹ کو سچ کر دکھانا — اُنھین سچون کو جھٹلانا پڑے گا
عوام الناس کا ہو گا جنھین منھ — اُنھین خاصون پہ منھ آنا پڑے گا
رہے وصف جنان کی مشق واعظ — تمھین بچون کو پھُسلانا پڑے گا
سخن مین پیروی کی گر سلف کی — اُنھین باتون کو دھرانا پڑے گا

قطعہ

تعلق کا ہے پھندا پیچ در پیچ — ۱ یہ عقدہ ہم کو سُلجھانا پڑے گا
بہت یان ٹھوکرین کھائی ہین ہمنے — ۲ بس اب دنیا کو ٹھکرانا پڑے گا
نہین بو انس کی اس غمکدے مین — ۳ کہین دل جا کے بہلانا پڑے گا
دل اب صحبت سے کوسون بھاگتا ہے — ۴ ہمین یارون سے شرمانا پڑے گا
زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند — ۵ وفا سے ہم کو پچتانا پڑے گا
جو منصوبے ہین یہ حالی تو شاید — ۶ ارادہ فسخ فرمانا پڑے گا

۷
بشر پہلو مین دل رکھتا ہے جب تک
اُسے دنیا کا غم کھانا پڑے گا

سخن پر ہمین اپنے رونا پڑے گا — یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا

عزیزو کہان تک یہ آتش مزاجی — تمھین جلد تر خاک ہونا پڑے گا

رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کی — بس اب دل سے شکوون کو دھونا پڑے گا

بن آئے گی ہرگز نہ یان کچھ کیے بن — جو کچھ کاٹنا ہے تو بونا پڑے گا

ہوے تم نہ سیدھے جوانی مین حالی
مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

کب تک اے ابر کرم ترسائے گا — مینھ بھی رحمت کا کبھی برسائے گا

پھل کچھ اے نخل وفا تجھ مین نہین — جو لگائے گا تجھے پچھتائے گا

دوست کا آیا ہے سمجھو اب پیام — آج اگر آیا نہین کل آئے گا

ذوق سب جاتے رہے جز ذوق درد — اک یہ لپکا دیکھیے کب جائے گا

قطعہ

۱ واعظ آتا ہے تو آنے دو اُسے — پر مزا آنے کا یان کیا پائے گا

۲ آئے گا اور ہم کو شرمائے گا مفت — اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا

۳ عیب سے خالی نہ واعظ ہے نہ ہم — ہم پہ منھ آئے گا منھ کی کھائے گا

دل کے تیور ہی کہے دیتے تھے صاف — رنگ یہ دیوانہ اک دن لائے گا

باغ و صحرا مین رہے جو تنگ دل — جی قفس مین اُس کا کیا گھبرائے گا

قطعہ

۱ رنگ گردون کا ہے کچھ بدلا ہوا — شعبدہ تازہ کوئی دکھلائے گا

۲ ابر و برق آئے ہین طوفان ساتھ ساتھ — دیکھیے برسے گا یا برسائے گا

مشکلون کی جسکو ہے حالی خبر
مشکلین آسان وہی فرمائے گا

وان اگر جائین تو لیکر جائین کیا — منھ اُسے ہم جا کے یہ دکھلائین کیا

سلہ برسنا۔ غصہ ظاہر کرنا ۱۲

دل میں باقی ہے وہی حرص گناہ
پھر کیے سے اپنے ہم پچھتائیں کیا

آؤ اُسکو لیں ہمیں جا کر منا
اُسکی بے پروائیوں پر جائیں کیا

دل کو مسجد سے نہ مندر سے ہے اُنس
ایسے وحشی کو کہیں بہلائیں کیا

جانتا دنیا کو ہے اک کھیل تو
کھیل قدرت کے تجھے دکھلائیں کیا

عمر کی منزل تو جوں توں کٹ گئی
مرحلے اب دیکھیے پیش آئیں کیا

دل کو سب باتوں کی ہے ناصح خبر
سمجھے سمجھائے کو بس سمجھائیں کیا

مان لیجے شیخ جو دعویٰ کرے
اک بزرگِ دین کو ہم جھٹلائیں کیا

ہو چکے حالی غزلخوانی کے دن
راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا

کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا
اک چراغ اور سرِ راہ جلایا جاتا

کر دیا اُس نے تو امید سے غافل ناصح!
اس کو کیوں بھولتے گر اس کو بھلایا جاتا

چپ چپاتے اُسے دے آئے دل اک بات پہ ہم
مال مہنگا نظر آتا تو چکایا جاتا

شب کو زاہد سے نہ مڈبھیڑ ہوئی خوب ہوا
نشہ زوروں پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا

دل کو یہ تو نے دکھایا ہے کہ دکھ جاتا ہے
چیونٹی کا بھی اگر دل ہے دکھایا جاتا

نامہ بر آج بھی خط لیکے نہ آیا یارو
تم تو کہتے ہو کہ وہ ہے ابھی آیا جاتا

عشق اُس وقت سے سر پر ترے منڈلاتا تھا
گود لیوں میں تجھے تھا جب کہ کھلایا جاتا

لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیار ہے وہ
اُس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا

بارہا دیکھ چکے تیرے فریب اے دنیا
ہم سے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا

کرتے کیا جیتے اگر مے نہ غنا سے ناصح
وقت فرصت کا یہ کس طرح گنوایا جاتا

دل نہ طاعت میں لگا جب تو لگایا غمِ عشق
کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا

اُس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
بھڑک اُٹھتا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید　　خود بخود دل مین ہو اک شخص سمایا جاتا

اب تو تکفیر سے واعظ نہین ہٹتا حالی
کہتے پہلے سے تو دے لیکے ہٹایا جاتا

راحت کا جہان مین تو نہین اک نام ہو گویا　　راحت کی تلاش اک طمع خام ہے گویا

کچھ کرتے ہین جو یان وہی انگشت نما ہین　　بدنام ہی دنیا مین نکو نام ہے گویا

ناچیز ہین وہ کام نہین جنپہ کچھ الزام　　جو کام ہین ان کا یہی انعام ہے گویا

ہے وقت رحیل اور وہی عشرت کے ہین سامان　　آخر ہوئی رات اور ابھی یان شام ہے گویا

اٹھا تھا کچھ اول ہی سے یہ درد بُری طرح　　آغاز ہی الفت کا بس انجام ہے گویا

ادبار بھی دیکھو گے جہان پاؤ گے اسلام　　اسلام کا ادبار بھی اک نام ہے گویا

جب دیکھئے حالی کو پڑا پایئے بیکار
کرنا اُسے باقی یہی اک کام ہو گویا

ق　خلوت مین تری صوفی گر نور صفا ہوتا　　تو سب مین ملا رہتا اور سب سے جدا ہوتا

تھا آفت جان اسکا انداز کماں داری　　ہم بچکے کہان جاتے گر تیر خطا ہوتا

کچھ اپنی حقیقت کی گر تجھکو خبر ہوتی　　میری ہی طرح تو بھی غیرون سے خفا ہوتا

یہ لطف بناوٹ مین دیکھا نہ سُنا قاصد　　ان پڑھ تو ہے تو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا

باتون مین شکایت کی بو آتی ہو الفت کی　　گر دل مین جگہ ہوتی تب پر بھی گلا ہوتا

ہم روز وداع اُس سے ہنس ہنس کے ہوئے رخصت　　رونا تھا بہت ہم کو روتے بھی تو کیا ہوتا

گر صاحب دل ہوتے سُن کر مری بیتابی　　تم کو بھی قلق ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا

جو دل پہ گذرتی ہو کیا تجھکو خبر ناصح　　کچھ ہم سے سُنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا

جو جان سے در گذرے وہ چاہے سو کر گذرے　　گر آج نہ تم آتے کیا جانیے کیا ہوتا

کل حالی دیوانہ کہتا تھا کچھ افسانہ　　سُننے ہی کے قابل تھا تم نے بھی سنا ہوتا

ق پیش از ظہور عشق کسی کا نشان نہ تھا
تھا حسن میزبان کوئی میہمان نہ تھا

ہم کو بہار مین بھی سر گلستان نہ تھا
یعنی خزان سے پہلے ہی دل شادمان نہ تھا

ملتے ہی اُن کے بھول گئین کلفتین تمام
گویا ہمارے سر پہ کبھی آسمان نہ تھا

کیا جانتے تھے جائیگا جی اک نگاہ مین
تھی دل کی احتیاط مگر بیم جان نہ تھا

سچ ہو کہ پاس خاطر نازک عذاب ہے
تھا دل کو جب فراغ کہ وہ مہربان نہ تھا

کچھ میری بیخودی سے تمھارا زیان نہین
تم جاننا کہ بزم مین اک خستہ جان نہ تھا

رات اُن کو بات بات پہ سو سو دیے جواب
مجکو خود اپنی ذات سے ایسا گمان نہ تھا

رونا ہے یہ کہ آپ بھی ہنستے تھے ورنہ یان
طعن رقیب دل پہ کچھ ایسا گران نہ تھا

تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دل مین چبھ گئی
مانا کہ اُسکے ہاتھ مین تیر و سنان نہ تھا

بزم سخن مین جی نہ لگا اپنا زینہار —
شب انجمن مین حالی جادو بیان نہ تھا

ق ہجر اور رنج بھی تنہائی کا
وقت پہونچا مری رسوائی کا

عمر شاید نہ کرے آج وفا
کاٹنا ہے شب تنہائی کا

تم نے کیون وصل مین پہلو بدلا
کس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا

ایک دن راہ پہ جا پہونچے ہم
شوق تھا بادیہ پیمائی کا

اُس سے نادان ہی بن کر ملیے
کچھ اجارہ نہین دانائی کا

سات پردون مین نہین ٹھہرتی آنکھ
حوصلہ کیا ہے تماشائی کا

درمیان پائے نظر ہے جب تک
ہم کو دعویٰ نہین بینائی کا

کچھ تو ہے قدر تماشائی کی
ہے جو یہ شوق خود آرائی کا

اُسکو چھوڑا تو ہے لیکن اے دل
مجکو ڈر ہے تری خودرائی کا

بزم دشمن مین نہ جی سے اترا
پوچھنا کیا تری زیبائی کا

یہی انجام تھا اے فصلِ خزان؟ گل و بلبل کی شناسائی کا
مدد اے جذبۂ توفیق کہ یان ہو چکا کام توانائی کا
محتسب عذر بہت ہین لیکن اذن ہم کو نہین گویائی کا

ہون گے حالی سے بہت آوارہ
گھر ابھی دور ہے رسوائی کا

ق اغماض چلتے وقت مروّت سے دور تھا رُو رُو کے ہم کو اور رُلانا ضرور تھا
تھی ہر نظر نہ محرمِ دیدار ورنہ یان ہر خار نخلِ ایمن و ہر سنگ طور تھا
دردا کہ لب پہ رازِ دل آیا نہ تھا ہنوز چرچا ہمارے عشق کا نزدیک و دور تھا
جانی نہ قدرِ رحمتِ حق پارسا نے کچھ ٹھہرا قصوروار اگر بے قصور تھا
دُردی کشانِ بزمِ مُغان کا نہ پوچھ حال ایک ایک رندِ نشۂ وحدت مین چور تھا
اب باریاب انجمنِ عام بھی نہین وہ دل کہ خاص محرمِ بزمِ حضور تھا
روزِ وداع بھی شبِ ہجران سے کم نہ تھا کچھ صبح ہی سے شامِ بلا کا ظہور تھا
بیمار کی تو اپنے نہ لی تم نے کچھ خبر بہرِ نماز نعش پہ آنا ضرور تھا

حالی کو ہجر مین بھی جو دیکھا تو شادمان
تھا حوصلہ اسی کا کہ اتنا صبور تھا

ق دل سے خیالِ دوست بھلایا نہ جائیگا سینے مین داغ ہے کہ مٹایا نہ جائے گا
تم کو ہزار شرم سہی مجھکو لاکھ ضبط الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا
اے دل رضائے غیر ہے شرطِ رضائے دوست زنہار بارِ عشق اُٹھایا نہ جائے گا
دیکھی ہین ایسی اُن کی بہت مہربانیان اب ہم سے مُنھ مین موت کے جایا نہ جائے گا
مے تُند و ظرف حوصلۂ اہلِ بزم تنگ ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا
راضی ہین ہم کہ دوست سے ہو دشمنی مگر دشمن کو ہم سے دوست بنایا نہ جائے گا

کیون چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے — پوچھین گے ہم سبب تو بتا یا نہ جائے گا
بگڑین نہ بات بات پہ کیون جانتے ہین وہ — ہم وہ نہین کہ ہم کو منا یا نہ جائے گا
ملتا ہے آپ سے تو نہین حصر غیر پر — کس کس سے اختلاط بڑھا یا نہ جائے گا
مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اسقدر — یعنی وہ ڈھونڈتے ہین جو پایا نہ جائے گا

جھگڑون مین اہل دین کے حالی پڑین نہ آپ
قصہ حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا

ق
قلق اور دل مین سوا ہو گیا — دلاسا تمھارا بلا ہو گیا
دکھانا پڑے گا مجھے زخم دل — اگر تیر اس کا خطا ہو گیا
سبب ہو جو لب پہ آتا ضرور — مرا شکر اس کا گلہ ہو گیا
وہ امید کیا جسکی ہو انتہا — وہ وعدہ نہین جو وفا ہو گیا
ہوا رکتے رکتے دم آخر فنا — مرض بڑھتے بڑھتے سوا ہو گیا
نہین بھولتا اسکی رخصت کا وقت — وہ رو رو کے ملنا بلا ہو گیا
سمان کل کا رہ رہ کے آتا ہے یاد — ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا
سمجھتے تھے جس غم کو ہم جانگزا — وہ غم رفتہ رفتہ غذا ہو گیا
نہ تھی میری امید مجھکو جواب — رہے وہ خفا گر خفا ہو گیا

ٹپکتا ہے اشعار حالی سے حال
کہین سادہ دل مبتلا ہو گیا

ق
سنگ گران ہے راہ مین تمکین یار کا — اب دیکھنا ہے زور دل بیقرار کا
اک خو سی ہو گئی ہے تحمل کی دور اب — وہ حوصلہ رہا نہین صبر و قرار کا
آؤ مٹا بھی دو خلش آرزوئے قتل — کیا اعتبار زندگی مستعار کا
ہم خوش کبھی تھے ہین تو غم ناگوار ہو — ملتا نہین محل گلہ روزگار کا

سمجھو مجھے اگر تمھین ہو آدمی کی قدر میرا اک التفات نہ مرنا ہزار کا
گر صبح تک وفا نہ ہوا وعدۂ وصال سن لین گے وہ مآل شبِ انتظار کا
اب جو بوئے گل پہ ہوا کب دلِ حزین ہم کو چمن سے یاد ہی جانا بہار کا
ہر سمت گردِ ناقۂ لیلیٰ بلند ہے پہونچے جو حوصلہ ہو کسی شہسوار کا
غربت کے مشغلون نے وطن کو بھُلا دیا خانہ خراب خاطرِ اُلفت شعار کا

حالی بس اب یقین ہر کوئی کے ہوچکے
ہے ذرہ ذرہ مہر فزا اس دیار کا

ب

دردِ دل کو دوا سے کیا مطلب کیمیا کو طلا سے کیا مطلب
چشمۂ زندگی ہے ذکرِ جمیل خضر و آبِ بقا سے کیا مطلب
بادشاہی ہو نفس کی تسخیر ظلِ بالِ ہما سے کیا مطلب
ہو کر بیگانے پھر رہین گے خود واعظ تم کو میری خطا سے کیا مطلب
جنکے معبود حور و غلمان ہین اُن کو زاہد خدا سے کیا مطلب
قطعہ
کام ہے مردمی سے انسان کی ۱ زہد یا اتقا سے کیا مطلب
ہے اگر رند دامن آلودہ ۲ ہم کو چون و چرا سے کیا مطلب
صوفیِ شہر با صفا ہے اگر ۳ ہو ہماری بلا سے کیا مطلب
نکہت مے پہ غش ہین جو حالی
۴ اُن کو دُرد و صفا سے کیا مطلب

مجھ مین وہ تابِ ضبطِ شکایت کہان ہے اب چھیڑو نہ تم کہ میرے بھی مُنھ مین زبان ہے اب
وہ دن گئے کہ حوصلۂ ضبطِ راز تھا چہرے سے اپنے شورشِ پنہان عیان ہے اب
جس دل کو قیدِ ہستیِ دنیا سے تنگ تھا وہ دل اسیرِ حلقۂ زلفِ شیاں ہوا ہے اب

آنے لگا جب اُسکی تمنا مین کچھ مزا
کہتے ہین لوگ جان کا اسمین زیان ہے اب

لغزش بھلا ہے حسینون کا التفات
اے دل سنبھل وہ دشمن دین مہربان ہے اب

اک جرعۂ شراب نے سب کچھ بھلا دیا
ہم ہین اور آستانۂ پیر مغان ہے اب

ہے وقت صبح اور وہ آیا نہین ہنوز
ہان جذب دل مدد کہ دم امتحان ہے اب

ہے دل غم جہان سے سبکدوش اندنون
سر پڑتا سوجھتا کوئی بار گران ہے اب

حالی تم اور ملازمت پیر مے فروش
وہ علم و دین کدھر ہے وہ تقویٰ کہان ہے اب

پ

یہ ہین واعظ سب سے منھ آتے ہین آپ
ناصح قوم اسپہ کہلاتے ہین آپ

بس بہت طعن و ملامت کر چکے
کیون زبان رندون کی کھلواتے ہین آپ

ہے صراحی مین وہی لذت کہ جو
چڑھ کے منبر پہ مزا پاتے ہین آپ

واعظو ہے اُن کو شرمانا گناہ ۱
جو گنہ سے اپنے شرماتے ہین آپ

کرتے ہین اک اک کی تکفیر آپ کیون ۲
اسپہ بھی کچھ غور فرماتے ہین آپ

کرتے ہین آباد دوزخ کو حضور
خلد کو ویران کرواتے ہین آپ

چھیڑ کر واعظ کو حالی خلد سے
بسترا کیون اپنا کھولتے ہین آپ

ت

گو جوانی مین تھی کج رائی بہت
پر جوانی ہم کو یاد آئی بہت

زیر برقع تو نے کیا دکھلا دیا
جمع ہین ہر سو تماشائی بہت

ہٹ پہ اُسکی اور پس جاتے ہین دل
راس ہے کچھ اس کو خودرائی بہت

سرو یا گل آنکھ مین جچتے نہین
دل پہ ہے نقش اسکی رعنائی بہت

چور تھا زخموں میں اور کہتا تھا حُر
راحت اس تکلیف میں پائی بہت

آ رہی ہے چاہِ یوسف سے صدا
دوستو یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

وصل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے
مینہ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت

جاں نثاری پر وہ بول اٹھے مری
ہیں فدائی کم تماشائی بہت

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

کر دیا چپ واقعاتِ دہر نے
تھی کبھی ہم میں بھی گویائی بہت

گھٹ گئیں خود تلخیاں ایام کی
یا گئی کچھ بڑھ شکیبائی بہت

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہو
راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

اس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بلبل
کل نہ پہچان سکے گی گلِ تر کی صورت

ہے غمِ روزِ جدائی نہ نشاطِ شبِ وصل
ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

دیکھیے شیخ مصور سے کھچے یا نہ کھچے
صورت اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت

واعظو آتشِ دوزخ سے جہاں کو تم نے
یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت

کیا خبر زاہدِ قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص
اس نے دیکھی ہی نہیں کیسۂ زر کی صورت

میں بچا تیرِ حوادث سے نشانہ بن کر
آڑے آئی مرے تسلیم سپر کی صورت

شوق میں اس کے مزا درد میں اس کے لذت
ناصحو اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت

حملہ اپنے پہ بھی اک بعدِ ہزیمت ہے ضرور
رہ گئی ہے یہی اک فتح و ظفر کی صورت

رہنماؤں کے ہوئے جاتے ہیں اوسان خطا
راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت

یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سو بار
پر ڈراتی ہے بہت آج بھنور کی صورت

اُنکو حالی بھی بُلاتے ہین گھر اپنے مہمان
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

ق
بناتے ہین وہ مہربانی کی صورت | چھپاتی نہین سرگرانی کی صورت
جسے دیکھکر دل ہو عاشق کا بیکل | وہ ہے اور ہی دلربانی کی صورت
شب وعدہ ہو بار عام انکے در پر | مرے حق مین اک پاسبانی کی صورت
غم دل نے رسوا کیا ہم کو آخر | بنائی بہت شادمانی کی صورت
ہوا اس روش پر وہ کیا خوب کھلتا | ذرا دیکھنا شیخ فانی کی صورت
یقین ہے کہ ہم جسکو سمجھے ہین مرنا | یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

سمجھکر گذشتہ حالی کو دیکھو
شادۂ عشق و جوانی کی صورت

ٹ

تو نہین ہوتا تو رہتا ہے اچاٹ | دل کو یہ کیسی لگا دی تو نے چاٹ
بج رہی ہے کان مین پایل وہی | اور مغنی نے کئی بدلے ہین ٹھاٹ
ناؤ ہے بوسیدہ اور موجین ہین سخت | اور دریا کا بہت چکلا ہے پاٹ
اک کہانی پیرزن کی رہ گئی | راج کسرے کا رہا باقی نہ پاٹ
ڈر سے مسجد مین ہم آئے تو ہین | ہے مگر یان جی بچھلے زاہد اچاٹ
جو کہے تجکو بنا دین اے امیر | ہین بہت سرکار کی محفل مین بھاٹ
ملتے ہین رستون کے ہین سب ہیرپھیر | سب جہازون کا ہے لنگر ایک گھاٹ
برق منڈلاتی ہے اب کس چیز پر | ٹڈیان کب کی گئین کھیتی کو چاٹ
تیغ مین برش یہ اے حالی نہین | جسقدر تیری زبان کرتی ہے کاٹ
چٹکیان سی دلمین لیتا ہے کون | شعر تو ظاہر مین ہین تیرے سپاٹ

ث

باپ کا ہے جبھی پسر وارث — ہو ہنر کا بھی اُسکے گر وارث
گھر ہنر ور کا نا خلف نے لیا — تیرا ہے کون اے ہنر وارث
فاتحہ ہو کہان سے میت کی — لے گئے ڈھو کے سیم و زر وارث
ہون اگر ذوق کسب سے آگاہ — کرین میراث سے حذر وارث
خاک و کرباس گور و خویش و تبار — ایک میت اور اسقدر وارث
واعظو دین کا حذر احافظ — انبیا کے ہو تم اگر وارث
قوم بے پر ہے دین بیکس ہے — گئے اسلام کے کدھر وارث
ہم پہ بیٹھے ہین ہاتھ دھوئے حریف — جیسے مردہ کے مال پر وارث
ترکہ چھوڑا ہے کچھ اگر حالی
کیون ہین میت پہ نوحہ گر وارث

بھید واعظ اپنا کھلوایا عبث — دل جلون کو تو نے گرمایا عبث
جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی — رات بھر یارون کو چھوایا عبث
شیخ رندون مین بھی ہین کچھ پاکباز — سب کو ملزم تو نے ٹھہرایا عبث
کوئی پنچھی آکے اب پھنستا نہین — آپ نے جال اپنا پھیلایا عبث
آ نکلتے تھے کبھی مسجد مین ہم — تو نے زاہد ہم کو شرمایا عبث
کھیتیان جلکر ہوئین بار رو کی خاک — ابر ہے گھر کر ادھر آیا عبث
قوم کا حالی پنپنا ہے محال — تم نے رو رو سب کو رلوایا عبث

ج

بات کچھ ہم سے بن نہ آئی آج — بول کر ہم نے منھ کی کھائی آج
چپ پر اپنی بھرم تھے کیا کیا کچھ — بات بگڑی بنی بنائی آج

شکوہ کرنے کی خو نہ تھی اپنی　　پر طبیعت ہی کچھ بھر آئی آج

بزم ساقی نے دی الٹ ساری　　خوب بھر بھر کے خم لنڈھائی آج

معصیت پر ہے دیر سے یا رب　　قطعہ ۱　　نفس اور شرع میں لڑائی آج

غالب آتا ہے نفس دوں یا شرع　　۲　　دیکھنی ہے تری خدائی آج

چور ہے دل میں کچھ نہ کچھ یارو　　نیند پھر رات بھر نہ آئی آج

کل یہاں کاروبار ہیں سب بند　　کر لو کرنی ہے جو کمائی آج

زد سے الفت کی بچ کے چلنا تھا

مفت حالی نے چوٹ کھائی آج

تلخی دوراں کے ہیں سب شکوہ سنج　　یہ بھی ہے یارو کوئی رنجوں میں رنج

رنج و شادی یاں کے ہیں سب بے ثبات　　اور اگر سوچو تو شادی ہے نہ رنج

تھا قناعت میں یہاں گنج فراغ　　پر نہیں بے وقت ہاتھ آیا یہ گنج

فکر میں بڑھتے تھے شاید ساتھ ساتھ　　ہیں وہ اب پنجاہ جو پہلے تھے پنج

ہم کو بھی آتا تھا ہنسنا بولنا　　جب کبھی جیتے تھے ہم اے بذلہ سنج

آ گئی مرگ طبیعی ہم کو یاد　　شاخ سے دیکھا جو خود گرتا ترنج

راہ اب سیدھی ہے حالی سو دو دست　　ہو چکے طے سب خم و پیچ و شکنج

چ

بزم مے اچھی ہے۔ گو دنیا ہے اے میخوار ہیچ

یاں سمجھ لیتے تو ہیں دنیا کو دم بھر یار ہیچ

نفس سے سر بر ہوئی دانش نہ صبر و عقل و ہوش

ایک دشمن پر سبک ہیں سب یار ہیچ

شیخ! جو مخلص ہیں وہ رکھتے نہیں کچھ امتیاز

ہے یہ سب اونچی دوکان اور رونقِ بازار ہیچ

شاہدِ معنی کو آرائش کی کچھ حاجت نہیں
سبحہ و سجادہ ہیچ اور جبہ و دستار ہیچ

ہو گئے جسقدر اتنے بڑے تم نہیں
اے فقیہو ہے یہ سب گفتارِ بے کردار ہیچ

رو لئے تو آٹھ آٹھ آنسو اور پسیجا دل نہ ایک
نکلے موتی تیرے سب اے چشم گوہر بار ہیچ

خوانِ نعمت نے ترے اے عاملِ مردار خوار
کر دیئے آفاق کے سب خوان و خوان سالار ہیچ

ہے ادب مسند پہ جو کچھ ہے رئیسِ شہر کا
ہٹ کے مسند سے جو خود دیکھیں تو ہیں سرکار ہیچ

گو کہ حالی اگلے اُستادوں کے آگے ہیچ ہے
کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ

ح

کاٹیے دن زندگی کے اُن یگانوں کی طرح
جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح

منزلِ دنیا میں ہیں پا در رکاب آٹھوں پہر
رہتے ہیں جہان سرا میں میہمانوں کی طرح

سعی سے اُکتاتے اور محنت سے کنیاتے نہیں
جھیلتے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح

رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو قربان وہ

نفس پر رکھتے ہین کوڑا حکمرانون کی طرح
شادمانی مین گذرتے اپنے آپے سے نہین
غم مین رہتے ہین شگفتہ شادمانون کی طرح
رکھتے ہین تمکین جوانی مین بڑھاپے سے سوا
رہتے ہین جو نچپال پیری مین جوانون کی طرح
پاتے ہین اپنون مین غیرون سے سوا بیگانگی
پر بھلا تکتے ہین ایک اک کا یگانون کی طرح
اس کھیتی کے پنپنے کی اٹکلین ہو یا نہ ہو
ہین اُسے پانی دیے جاتے کسانون کی طرح
اُن کے غصّے مین ہے دلسوزی۔ ملامت مین ہے پیار
مہربانی کرتے ہین نامہربانون کی طرح
کام سے کام اپنے ان کو۔ گو ہو عالم نکتہ چین
رہتے ہین بتیس دانتون مین زبانون کی طرح
طعن سُن سُن احمقون کے ہنستے ہین دیوانہ وار
دن بسر کرتے ہین دیوانون مین سیانون کی طرح
کیجیے کیا حالی۔ دیکھیے سادگی گر اختیار
بولنا آ جائے نہ جب رنگین بیانون کی طرح

خ

مے مغان کا ہے چسکا اگر ذرا اے شیخ — تو ایسی ہی کوئی چاٹ اور نئے لگا ہی شیخ
ریا کو صدق سے ہر جام مے بدل دیتا — تمھین بھی ہے کوئی یاد ایسی کیمیا اے شیخ
وہ نکلے بھاگ جہان ستی جو بناتے تھے اکسیر — تماشے دیکھے ہین تم نے ہمنے بارہا اے شیخ

غرورِ فقر و غرورِ غنا میں فرق ہے کیا
تجھی پہ رکھتے ہیں ہم منحصر بتا اے شیخ

زبان پہ ہوتی ہی مہر انکی جو ہیں محرم راز
پھر ایسا کیجیو ہرگز نہ ادعا اے شیخ

قطعہ
خبر بھی ہو تمھیں ہو کیا ہیں یہ ہیچ پیر بڑے پر
ہیں آپ جون سے بیڑے کے ناخدا اے شیخ

۲
وہ ڈربوں سے الگ رہتے ہیں جو ہیں پیر اک
شادی کا بھی گر ہے۔ مرحبا اے شیخ

گو زن و گور ہیں بچپن سے تارکِ دنیا
نہایت آپکی ہے۔ اُن کی ابتدا اے شیخ

کمالِ حسن عقیدت سے آیا تھا حالی
پہ خانقاہ سے افسردہ دل گیا اے شیخ

و

شادی کے بعد غم ہے فقیری غنا کے بعد
اب خوف کے سوا ہے دھڑکا رجا کے بعد

ہے سامنا بلا کا پس از عافیت ضرور
ہوتی ہے عافیت کی توقع بلا کے بعد

نفس ہیچ جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یان سزا کے بعد

گر بیدلی سے بازی بھی لے چارہ گر شفا
آتی ہے دل کی موت نظر اس شفا کے بعد

یادِ خدا میں جب نہ لگی دل سے اسکی یاد
آگے خدا کا نام ہے ناصح خدا کے بعد

کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم
ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد

آخر کو ماننا پڑا اے نفسِ خیرہ سر
تیرا بھی حکم کم نہیں حکمِ قضا کے بعد

رغبت سے تھی دعا کہ ہوں بدنام شہر شہر
یا رب ہوئی قبول بہت التجا کے بعد

حالی کی سن لو اور صدائیں جگر خراش
دلکش صدا سنو گے نہ پھر اس صدا کے بعد

کہیں خوف اور کہیں غالب ہو چلا ہے زاہد
بہتر اقبال ہے خدا میرا جدا اے زاہد

درگذر گر نہیں کرتا وہ گنہگاروں سے
تو ترا اور کوئی ہوگا خدا اے زاہد

ہم دکھا دیں گے کہ زہد اور ہے نیکی کچھ اور
کچھ بہت دور نہیں روزِ جزا اے زاہد

قربِ حق کے لیے کچھ سوزِ نہاں بھی ہے ضرور
خشک نفلوں میں دھرا کیا ہے بھلا اے زاہد

مین تو سو بار ملون دل نہین ملتا تم سے
تو ہی کہہ اس مین ہے کیا میری خطا اے زاہد

جال جب تک ہے یہ پھیلا ہوا دینداری کا
فکر دنیا کا کرے تیری بلا اے زاہد

عیب حالی کے بہت آج کیے تو نے بیان
ذکر کچھ اور کر اب اس کے سوا اے زاہد

ذ

پیاس تیری ہے ساغر سے لذیذ
بلکہ جام آب کوثر سے لذیذ

چسکا تو قاتل ہے پھر اس کے لیے
کونسی نعمت ہے خنجر سے لذیذ

لطف ہو تیری طرف سے یا عتاب
ہم کو ہے سب شہد و شکر سے لذیذ

قند سے شیرین تری پہلی نگاہ
دوسری قند مکرر سے لذیذ

جھا مجھ مین جس بھوک کی بھولے نہ تو
بھوک ہے وہ شیر مادر سے لذیذ

ہے یہ مجھ مین کس کی بو باس اے صبا
بوئی بید مشک و عنبر سے لذیذ

جو قناعت کے ہین حالی میہمان
ان کو فاقے ہین مزعفر سے لذیذ

ر

ہے یہ تکیہ تری عطاؤن پر
وہی اصرار ہے خطاؤن پر

رہین نا آشنا زمانہ سے
حق ہے تیرا یہ آشناؤن پر

رہرو و باخبر رہو کہ گمان
رہزنی کا ہے رہنماؤن پر

ہے وہ دیر آشنا تو عیب ہے کیا
مرتے ہین ہم انھین اداؤن پر

اسکے کوچے مین ہین وہ بے پر و بال
اڑتے پھرتے ہین جو ہواؤن پر

شہسوارون پہ بند ہے جو راہ
وقف ہے یان برہنہ پاؤن پر

نہین منعم کو اسکی بوند نصیب
مینہ برستا ہے جو گداؤن پر

نہین محدود بخششین تیری
زاہدون پر نہ پارساؤن پر

حق سے درخواست عفو کی حالی
کیجے کس منہ سے ان خطاؤن پر

کرتے ہیں سو سو طرح سے جلوہ گر
ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر

جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار
عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر

دوست اُسکے ہیں نہ اُسکے آشنا
گو بظاہر سب سے ہیں شیر و شکر

خصلتیں روباہ کی رکھتے ہیں ہم
گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر نر

اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقین
کرتے ہیں نفرت بدی سے جسقدر

کرنی پڑتی ہے کسی کی ہجو جب
کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر

گر کسی کا عیب سُن پاتے ہیں ہم
کرتے ہیں رسوا اسے دل کھول کر

کی نہیں جس نے کبھی کوئی بدی
شکر کے ہیں اس سے خواہاں عمر بھر

ایک رنجش میں بھلا دیتے ہیں سب
ہوں کسی کے ہم پہ لاکھ احسان اگر

عیب کچھ گنتے نہیں اس عیب کو
جس سے ہوں اپنے سوا سب بیخبر

خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں
کھینچ کر لاتے ہیں اُسکو سوئے شر

بنتے ہیں یاروں کے ناصح تاکہ ہو
عیب اُن کا ظاہر اور اپنا ہنر

دوست اک عالم کے ہیں مطلب کے دوست
ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

عیب حالی اپنے یوں کہتا ہے کون
خواہش تحسین ہے حضرت کو مگر

ہوگی نہ قدر جان کی قربان کیے بغیر
دام اُٹھیں گے نہ جنس کے ارزان کیے بغیر

گو ہر شفا ہے پاس پہ جبتک ہے دم میں دم
بن آئیگی نہ درد کا درمان کیے بغیر

بگڑی ہوئی بہت ہے کچھ اس باغ کی ہوا
یہ باغ کو رہے گی نہ ویران کیے بغیر

آمادہ دہر پردہ دری پر ہے قوم کی
مبروص کو رہے گا نہ عریان کیے بغیر

غیرت سے اپنی یاروں کو کچھ آ پڑی ہے ضد
چھوڑینگے نیچان کو نہ بیجان کیے بغیر

مشکل بہت ہے گو کہ مٹانا سلف کا نام
مشکل کو ہم ٹلیں گے نہ آسان کیے بغیر

گو مے ہے تند و تلخ پہ ساقی ہے دلربا ۔ اے شیخ بن پڑے گی نہ کچھ ہاں کیے بغیر
تکفیر جو کہ کرتے ہیں ابنائے وقت کی ۔ چھوڑے گا وقت انھیں نہ مسلمان کیے بغیر
حالی کٹے گا کاٹنے ہی سے یہ بیستون
حل ہونگی مشکلیں نہ یہ آسان کیے بغیر

ڑ

گھر ہے وحشت خیز اور بستی اجاڑ ۔ ہوگئی اک اک گھڑی تجھ بن پہاڑ
آج تک قصر امل ہے ناتمام ۔ بندھ چکی ہر بار کھل کھل کے پاڑ
ہے پہنچنا اپنا چوٹی تک محال ۔ اے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ
کھیلنا آتا ہے ہم کو بھی شکار ۔ پر نہیں زاہد کوئی ٹٹی کی آڑ
دل نہیں روشن تو ہیں کس کام کے ۔ سو شبستان ہیں اگر روشن ہیں جھاڑ
عید اور نوروز ہے سب دل کے ساتھ ۔ دل نہیں حاضر تو دنیا ہے اجاڑ
کھیت رستے پر ہے اور رہرو سوار ۔ کشت ہے سرسبز اور نیچی ہے باڑ
بات واعظ کی کوئی پکڑی گئی ۔ ان دنوں کمتر ہے کچھ ہم پر لتاڑ
تم نے حالی کھول کر ناحق زبان ۔ کر لیا ساری خدائی سے بگاڑ

ز

جسکا خیال دل نے بھلایا نہیں ہنوز ۔ عالم مری نظر میں سمایا نہیں ہنوز ق
پیغام دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز ۔ جھونکا نسیم مصر کا آیا نہیں ہنوز
لگ جائے دل نہ منزل مقصود میں کہیں ۔ ہم جس کو ڈھونڈتے ہیں وہ پایا نہیں ہنوز
آیا نہ ہوگا اس کو تغافل میں کچھ مزا ۔ ذوق نگاہ ہم نے جتایا نہیں ہنوز
ایمن میں آگ لگ چکی اور طور جل چکا ۔ اس نے نقاب رخ سے اٹھایا نہیں ہنوز
یاں دیکھ چکی جواب امید جواب خط ۔ واں نامہ بر نے بار بھی پایا نہیں ہنوز

پایا ہے ذوق و شوق میں ہم کو بھرا ہوا — کافر نے اختلاط بڑھایا نہیں ہنوز
کیا دل سے بعد مرگ بھی جاتی نہ تیری یاد — بھولے ہیں کہ تجھکو بھلایا نہیں ہنوز
سرمایۂ خلاف دو عالم ہے راز دل — باتوں میں ہم نے زہر ملایا نہیں ہنوز

کس نشہ میں ہے چور خدا جانے اسقدر
حالی نے جام منہ سے لگایا نہیں ہنوز

جیتے جی موت کے تم منہ میں نہ جانا ہرگز — دوستو دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز
عشق بھی تاک میں بیٹھا ہے نظر بازوں کی — دیکھنا شیر سے آنکھیں نہ لڑانا ہرگز
زال کی پہلی ہی رستم کو نصیحت یہ تھی — زد میں تیر صف مژگان کی جانا ہرگز
چاہت اک طلعت مکروہ ہے برقع میں نہاں — کسی لالہ کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز
ہاتھ ملنے نہوں پیری میں اگر حسرت سے — تو جوانی میں یہ روگ بسانا ہرگز
جتنے رستے تھے ترے ہو گئے ویران اے عشق — آکے ویرانوں میں اب گھر نہ بسانا ہرگز
کوچ سب کر گئے دلی سے ترے قدرشناس — قدر یاں رہ کے اب اپنی نہ گنوانا ہرگز
تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ — نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانا ہرگز
داستان گل کی خزاں میں نہ سنا اے بلبل — ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رلانا ہرگز
ڈھونڈھتا ہے دل شوریدہ بہانے مطرب — درد انگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز
صحبتیں اگلی مصور ہمیں یاد آئیں گی — کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز
موجزن دل میں ہیں یاں خون کے دریا اے چشم — دیکھنا ابر سے آنکھیں نہ چرانا ہرگز
لیکے داغ آئے گا سینے پہ بہت اے سیاح — دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز
چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک — دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانا ہرگز
مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشاں بھی اب تو — اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز
وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی انہیں بھول گئے — ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانا ہرگز

جسکو زخموں سے حوادث کے اچھوتا سمجھیں — نظر آتا نہیں اک ایسا گھرانا ہرگز
ہمکو گر تو نے رلایا تو رلایا اے چرخ — ہم پہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز
یار خود روئیں گے کیا ان پہ جہاں روتا ہے — ان کی ہنستی ہوئی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز
آخری دور میں بھی تجھکو قسم ہے ساقی — بھر کے اک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز
بخت سوئے ہیں بہت جاگ کے اے دور زماں — نہ ابھی نیند کے ماتوں کو جگانا ہرگز
یاں سے رخصت ہو سبھی کہیں اے عیش و نشاط — نہیں اس دور میں یاں تیرا ٹھکانا ہرگز
کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلی — ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہوگی یارو — یاد کر کر کے اسے جی نہ کڑھانا ہرگز
غالب و شیفتہ و نیر و آزردہ و ذوق — اب دکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانا ہرگز
مومن و علوی و صہبائی و ممنون کے بعد — شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز
کر دیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو — ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانہ ہرگز
داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں — نہ سنے گا کوئی بلبل کا ترانا ہرگز
رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر — اب نہ دیکھو گے کبھی لطف شبانہ ہرگز

بزم ماتم تو نہیں بزم سخن ہے حالی
یاں مناسب نہیں رو رو کے رلانا ہرگز

رنجش و التفات و ناز و نیاز — ہمنے دیکھے بہت نشیب و فراز
عشق کی آنچ اس میں پاتا ہوں — دل ذرا دیکھتا ہوں جس کا گداز
شیخ اللہ رے تیری عیاری — کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز
اک تپے کی جو ہمنے کہدی آج — رنگ واعظ کا کر گیا پرواز
ہم کو نسبت پہ فخر ہے تیری — بھر گئی بھول ہم کو خاک حجاز
آج سنکر بھی ناچ اٹھیں گے — گر مغنی کی ہے یہی آواز

قطعہ

خیر ہے اے فلک کہ چار طرف[لہ] ۱ چل رہی ہیں ہوائیں کچھ ناساز

رنگ بدلا ہوا ہے عالم کا ۲ ہیں دگرگوں زمانہ کے انداز

ہوتے جاتے ہیں زورمند ضعیف ۳ بنتے جاتے ہیں مبتذل ممتاز

چھپتے پھرتے ہیں کبک و تیہو سے ۴ گھونسلوں میں عقاب اور شہباز

ہے نہتوں کو رہگذر میں خطر ۵ رہزنوں نے کیے ہیں ہاتھ دراز

ٹڈیوں کا ہے کھیتیوں پہ ہجوم ۶ بھیڑیوں کے ہیں خون میں لب آز

ناتوانوں پہ گدھ ہیں منڈلاتے ۷ گھائلوں پر ہیں ہیز تیر انداز

تشنۂ خوں ہیں ہو کے شیروں کے ۸ حیلہ گر روبہوں کے عشوۂ ناز

دشمنوں کے ہیں دوست خود جاسوس ۹ اور یاروں کے یار ہیں غمّاز

ہوگا انجام دیکھیے کیا کچھ ۱۰ ہے بُرا شوب جبکہ یہ آغاز

نے ابھی تک کھلی نہیں لیکن ۱۱ غیب سے آرہی ہے کچھ آواز

وقت نازک ہے اپنے بیڑے پر ۱۲ موج حائل ہے اور ہوا ناساز

یا تھپیڑے ہوا کے لے اُبھرے ۱۳ یا گیا کشمکش میں ڈوب جہاز

کام اُسے اپنے سونپ دو حالی ۱۴ نہیں جس کا شریک اور انباز

ہے وہ مالک ڈبوئے خواہ ترائے ۱۵ چارہ یاں کیا ہے غیر عجز و نیاز

س

جاذبِ رحمت ہے مقناطیس عصیاں اپنے پاس
رکھتے ہیں عاصی کمندِ صیدِ غفراں اپنے پاس

عاجزوں سے مقدرت کرتے ہیں اکثر درگذر
عجز اپنا ہے کلیدِ بابِ رضواں اپنے پاس

لہ یہ قطعہ اسوقت لکھا گیا تھا جبکہ ترکی کو سلطان عبدالعزیز خان کے قتل کے بعد سرویہ۔ مانٹینگرو اور روس کے مقابلہ میں سخت صدمہ پہنچا

ہو گئی گر کچھ سمجھنے میں خطا فرمان کے
عذر خواہ اپنا ہے خود فرمان سلطان اپنے پاس

بام بتلایا بلند اور نارسا بخشی کمند
رکھتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ برہان اپنے پاس

خاک میں ہمنے ملا رکھی ہے اکسیر اپنی آپ
ورنہ ہے ہر درد کا موجود درمان اپنے پاس

دست بردِ اہرمن کا جس کو کچھ کھٹکا نہیں
ہے بحمد اللہ وہ مہر سلیمان اپنے پاس

دیکھنا حالی نہ دینا وضع فطرت کو بدل
ہے یہ دستاویز استخلاف رحمان اپنے پاس

چھیڑ اب نہ اے تصور مژگان یار بس
کافی ہے خار خار غم روزگار بس

یہ غم نہیں ہے وہ جسے کوئی بٹا سکے
غمخواری اپنی رہنے دے اے غمگسار بس

ہر داغ فصل گل کی نشانی ہے اے صبا
گلگشت کو بہت ہے دل داغدار بس

ڈھہ دلوں کے ساتھ امیدیں بھی پس گئیں
اے آسیائے گردش لیل و نہار بس

دیں غیر دشمنی کا ہماری خیال چھوڑ
یاں دشمنی کے واسطے کافی ہیں یار بس

آتا نہیں نظر کہ یہ ہو رات اب سحر
کی نیند کیوں حرام بس اے انتظار بس

تھوڑی ہے رات اور کہانی بہت بڑی
حالی نکل سکیں گے نہ دل کے بخار بس

ش

اک ہم کو مہم بر سر ایام ہے درپیش
بنتا نظر آتا نہیں جو کام ہے درپیش

غفلت ہے کہ گھیرے ہوئے ہے چار طرف سے
اور معرکہ گردش ایام ہے درپیش

وہ دن گئے جب تھا مرض حب کا آغاز
اب اس مرض حب کا انجام ہے درپیش

گو صبح بھی تھی روز مصیبت کی قیامت
پر صبح تو جوں توں کٹی اب شام ہے درپیش

وہ وقت گیا نشہ تھا جوبن پہ جب اپنا
اب وقت خمار مئے گلفام ہے درپیش

امید شفا کا تو جواب آ ہی چکا ہے
اب موت کا سننا ہی پیغام ہے درپیش

جی اس کا کسی کام میں لگتا نہیں یہ بار
ظاہر ہے کہ حالی کو کوئی کام ہے درپیش

ص

ہر بشر سے اسکی مختص ہیں عطائیں خاص خاص
ہر مرض کو راس آتی ہیں جیسے دوائیں خاص خاص

دل تو اپنا پھر چکا ہے زال دنیا سے مگر
پھرتی ہیں آنکھوں میں اب تک کی ادائیں خاص خاص

گو زمانہ نے بھلا دی دل سے اپنے فصل گل
یاد ہیں لیکن وہ بلبل کی صدائیں خاص خاص

زہد و تقوی سے نہیں ہوتیں دعائیں مستجاب
وقت ہیں کچھ خاص خاص اور ہیں دعائیں خاص خاص

یوں تو ہے امید سب کچھ پر ہوں شاید سعادت
وہ جو کی ہیں ہم نے اے حالی خطائیں خاص خاص

درد اور درد کی ہر سبب کے دوا ایک ہی شخص
ہاں ہے جلاد و مسیحا بخدا ایک ہی شخص

حور و غلمان کے لیے لائیں دل آخر کس کا
ہو دینا نہیں یاں عہدہ بر آ ایک ہی شخص

قافلے گذرے ہیں وہاں کیونکہ سلامت واعظا
ہو جہاں رہزن اور راہنما ایک ہی شخص

قیس سا پھر کوئی اٹھا نہیں عامر میں
فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

جنگلے دیکھے ہیں جن لوگوں نے ان آنکھوں سے
آج ویسا کوئی ہے ہم کو دکھا ایک ہی شخص

گھر میں برکت ہو مگر فیض ہو جاری شب و روز
کچھ سہی شیخ مگر ہے بخدا ایک ہی شخص

اعتراضوں کا زمانہ کے ہے حالی پہ نچوڑ
شاعر اب سارے خدائی میں ہو گیا ایک ہی شخص

ض

عشق کو ترک جنوں سے کیا غرض — چرخ گرداں کو سکوں سے کیا غرض
دل میں ہے اے خضر گر صدق طلب — راہرو کو رہنموں سے کیا غرض
حاجیو ہے ہمکو گھر والے سے کام — گھر کے محراب و ستوں سے کیا غرض
گنگنا کر آپ رو پڑتے ہیں جو — انکو چنگ و ارغنوں سے کیا غرض
نیک کہنا نیک جس کو دیکھنا — ہمکو تفتیش دروں سے کیا غرض
دوست ہیں جب زخم دل سے بیخبر — انکو اپنے اشک خوں سے کیا غرض
عشق سے ہے مجتنب زاہد عبث — شیر کو صید زبوں سے کیا غرض
کر چکا جب شیخ تسخیر قلوب — اب اُسے دنیائے دوں سے کیا غرض

آ چکے ہو حالی پہ تسلیم یاں
آپکو چون و چگوں سے کیا غرض

دوست کا تا روا نہیں اعراض — دوستوں ہی کا کام ہے اغماض
چاہیے ایک سب کا ہو مقصود — گو ہوں سب کے جدا جدا اغراض
یاد میں تیری سب کو بھول گئے — کھو دیے ایک فکر نے سب امراض
دیکھیے تو بھی خوش ہے یا ناخوش — اور تو ہم سے سب ہیں کچھ ناراض
لَا اُبَالِی بِاَنْ تُحِبَّ سِبْنِی — کُلَّ نَاسٍ وَاَنْتَ عَنِّی رَاضٍ
منعمو بذل خیر میں یہ دریغ — اپنا مطلب اور اسپہ سو اغماض
حق میں اپنے تو سخت ممسک ہیں — جو کہ اوروں کے حق میں ہیں فیاض
راے ہے کچھ علیل سی تیری — نبض اپنی بھی دیکھ اے نباض
وعظ میں گل کترتے ہیں واعظ — منھ میں اُن کے زبان ہے یا مقراض
ہے فقیہوں میں اور ہم میں نزاع — هَلْ لَنَا فِی نِزَاعِنَا مِنْ قَاضٍ

ہے ریاضت پہ ناز کیا زاہد — غارکش تجھ سے ہے سوا مرتاض
شیخ کی تھی یہ آخری تلقین — چاہیے زر تو اس سے کر اعراض

ایسی غزلیں سنی نہ تھیں حالی
یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض

ط

رات گذری ہو چکا دورِ نشاط — طے ہوئی بس اب کوئی دم میں بساط
دل سے خوشیاں ہو گئیں اب گوشہ گیر — نام تھا شاید جوانی کا نشاط
دل اب اے دل منقبض رہنے کے ہین — ہو چکا ہونا تھا جو کچھ انبساط
غنچہ چٹکا اور آ پہونچی خزان — فصلِ گل کی تھی فقط اتنی بساط
زینۂ منبر ہے لغزش کی جگہ — جا نہ او واعظ اسے راہِ صراط
تو بھی کھانے مین نہین محتاط شیخ — ہم کرین پینے مین کیون پھر احتیاط

کوچ کی حالی کرو تیاریان
ہے قویٰ مین دمبدم اب انحطاط

ظ

چھپے ہین حریفون مین احرار واعظ — برا کہہ نہ رندون کو زنہار واعظ
سدا قہر ہی قہر ہے عاصیون پر — نہ ستار ہے تو نہ غفار واعظ
نکل آئے گی میکشی کی بھی حلت — کوئی مل گیا گر ہمین یار واعظ
کوئی بات دیکھی نہین تجھ مین لیکن — سنا ہے کہ ہوتے ہین عیار واعظ
ہمین اور بھی تجھ سے کرتے ہین بدظن — یہ جبہ یہ ریش اور یہ دستار واعظ
نہ چھوڑیگا زیور گھرون مین نہ زر تو — یہی ہے اگر حسنِ گفتار واعظ
مسلمان نہ ہم کاش حالی کو کہتے — ہوئے بات کہہ کر گنہگار واعظ

ع

اے بہارِ زندگانی الوداع — اے شباب اے شادمانی الوداع
اے بیاضِ صبحِ پیری السلام — اے شبِ قدرِ جوانی الوداع
السلام اے قاصدِ ملکِ بقا — الوداع اے عمرِ فانی الوداع
روزگارِ ضعف و سستی الصلا — وقتِ سعی و جانفشانی الوداع
قطعہ
۱ فرصتِ عشق و جوانی الفراق — دورِ عیش و کامرانی الوداع
۲ تجھکو سمجھے تھے نعیمِ جاودان — اے نعیمِ جاودانی الوداع
۳ تیرے جاتے ہی گئیں سب خوبیان — اے خدا کی مہربانی الوداع
آلگا حالی کنارے پر جہاز
الوداع اے زندگانی الوداع

غ

کل کبک سے چمن مین یہ کہتا تھا ایک زاغ — دیکھ اس خرامِ ناز پہ اتنا نہ کر دماغ
ہو تاک مین عقاب تو شہباز گھات مین — چلنے سے یان اجل کے نہین ایکدم فراغ
یارب نگاہِ بد سے چمن کو بچائیو — بلبل بہت ہے دیکھکے پھولون کو باغ باغ
دو چار گام نقشِ قدم مل کے رہ گئے — آگے چلا نہ آہوے مشکین کا کچھ سراغ
آئین پئین وہ شوق سے جو اہلِ ظرف ہین — ساقی بھرے کھڑا ہے مے لعل سے ایاغ
جنگل مین تختۂ گلِ خودرو کو دیکھکر — تازہ ہوا زمانہ کی ناقدریون کا داغ
حالی بھی پڑھنے آئے تھے کچھ بزمِ شعر مین
باری تب اُن کی آئی کہ گل ہوگئے چراغ

ف

حق نہ مُلّا نے کچھ بتایا صاف — اور نہ صوفی نے کچھ دکھایا صاف

آنکھ اپنی ہی جب تلک نہ کھلی — مہر روشن نظر نہ آیا صاف
کبھی دشمن سے بھی نہ کھٹکے ہم — صاف تھے آپ سب کو پایا صاف
ناصحو ہم تو تھے ہی آلودہ — تم کو بھی ہمنے کچھ نہ پایا صاف
کیوں فقیہوں سے رک گئے حالی — بھید تم نے نہ کچھ بتایا صاف

ق

نہ ہم ہیں یار کی محفل میں بار کے لائق — نہ اپنا کلبۂ احزاں ہے یار کے لائق
کرے گا کیا ترا کحل الجواہر اے کحال — نہیں یہ آنکھ ہی دیدار یار کے لائق
مکان عاریتی اور لباس بوسیدہ — بہت ہے زندگی مستعار کے لائق
غرور و حرص ہیں زیور عروس دنیا کے — بناؤ تھے یہی اس نابکار کے لائق
کرے گی باد بہار آکے اب کسے سرسبز — رہا نہ باغ قدم بہار کے لائق
بس اب ہے فضلۂ روباہ و گرگ پرگندان — رہا نہ شیر ژیان خود شکار کے لائق
گنہ کا عذر کریں کس سبب ہم آنکھوں سے — ہمارے جرم ہوں گر اعتذار کے لائق
گرہ میں دام نہ دفتر میں نام ہے حالی — تھیں تو شہر میں ہوا اعتبار کے لائق
یہ ہمنے مانا کہ تم میں ہنر بھی ہیں کچھ کچھ — مگر نہیں کوئی خوبی شمار کے لائق

ک

دلوں کا کھوٹ اگر کھیے برملا ایک ایک — تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا ایک ایک
سلامتی کو وہاں قافلوں کی روتھیں — جہاں ہے راہزن خلق رہنما ایک ایک
زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترقی پر — بنا ہے غوث زماں آجکل گدا ایک ایک
رہا ہوں رند بھی اے شیخ پارسا بھی میں — مری نگاہ میں ہے رند پارسا ایک ایک
وفا کی ایک تجھی سے امید ہے اس وقت — کہ یار یار سے ہو جائیگا جدا ایک ایک
چھپا کے اُس سے قصور اپنے ہم بہت شرمائے — جب آپ مُنہ سے لگی بولنے خطا ایک ایک

ہوا نہ ایک بھی حق اس کی بندگی کا ادا — کیا ہے جس نے حق خواجگی ادا ایک ایک
امیر حاج کی ہمت میں گر نہ آئے قصور — تو موج بحر ہے کشتی کی ناخدا ایک ایک
ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دفتر کو — ورق جب اس کا اڑا لے گئی ہوا ایک ایک
بہار نے بھی نہ بلبل تری بجھائی آگ — جگر کے پار ہے اب بھی تری نوا ایک ایک
وہ عشق ہے نہ جوانی وہ تو ہے اب نہ وہ ہم — پہ دل پہ نقش ہے اب تک تری صدا ایک ایک

نہ ہم رہیں گے نہ حالی یہ خراش جہان
رہے گی حالی دلگیر کی صدا ایک ایک

عالم آزادگان ہے اک جہان سب سے الگ — ہے زمین ان کی اور ان کا آسمان سب سے الگ
پاک ہیں آلائشوں سے بند شغلوں سے لگاؤ — رہتے ہیں دنیا میں سب کے درمیان سب سے الگ
دوست کہتے ہیں جان نثار اپنا ہو یا بیگانہ ہو — ہے عشیرہ اور ان کا دودمان سب سے الگ
سب کی سن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں — ہے کوئی بھیدی اور ان کا رازدان سب سے الگ
جا بجا پھرتے ہیں اور دل کو ہیں خود سے کے اپنا امتحان — رکھتے ہیں اپنا طریق امتحان سب سے الگ
اک چمن زیر تصرف رکھتے ہیں زیر بغل — روضۂ رضوان و فردوس جنان سب سے الگ
کلبۂ احزان ہے روشن ان کا جس سے سدا — ہے وہ نور مہر و ماہ و کہکشان سب سے الگ
سیکڑوں پھندوں میں یاں جکڑا ہوا ہے بند بند — پر چھٹے کوئی دل ان کا تو وہاں سب سے الگ
شاعروں کے ہیں سب انداز سخن دیکھے ہوئے — دردمندوں کا ہے دکھڑا اور بیان سب سے الگ

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالی نے دکان سب سے الگ

صلح ہے اک مہلت سامان جنگ — کرتے ہیں بھرنے کو یاں خالی تفنگ
عہد گیتی پر نہ پھولیں کامران — آخر اس کی آشتی لائے گی رنگ

علم کیا، اخلاق کیا، ہتھیار کیا
سب بشر کے مار رکھنے کے ہیں ڈھنگ

زود کیجے بدخو کو بدخوئی سے کیوں
آپ اپنی خو سے آجائے گا تنگ

زہد و طاعت پر جوانوں کی نہ جاؤ
یہ بھی ہے اک نوجوانی کی ترنگ

پاکبازوں کو نہیں کچھ قیدِ وضع
جو ہیں اچھے اُن پہ سب کھلتے ہیں رنگ

کام کا شاید زمانہ ہو چکا
دل میں اب اُٹھتی نہیں کوئی اُمنگ

وہ عجائب اب نظر آتے ہیں کھیل
دیکھ پہلے جن کو رہ جاتے تھے دنگ

کاہشوں سے پرورش پاتی ہے روح
اب لگا کھایا پیا سب آکے انگ

عقل شاید ملک میں باقی ہے کچھ
ہے ابھی کچھ حاصلِ افیون و بھنگ

بڑھ گیا ہے رحمِ انسانی بہت
ہو گئی ایجاد اب نئی توپ و تفنگ

قوم کو حالی نہیں راس اتفاق
پھوٹ ہی کا بس نکلے گا ہمیشہ رنگ

ل

ہو گئے ہیں ہم ہی کچھ اور آج کل
یا زمانہ ہی گیا یارب بدل

رہ گئے ہیں کچھ کچھ آثارِ سلف
اور ابھی ہونا ہے شاید مبتذل

اک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں
ورنہ گر گر کر گئے لاکھوں سنبھل

کب تک آخر بیٹھ سکتا ہے وہ گھر
آگیا بنیاد میں جس کی خلل

ناؤ ڈوبے یا کہیں کھیوا ہو پار
تیری حد بھی کچھ ہے اے طولِ امل

اب لگاؤ پود وہ کچھ اپنی نئی
لا چکے پودے بہت اگلوں کے پھل

دیکھیے نبھتا ہے کب تک پاسِ وضع
ہم نہ بدلے اور گیا عالم بدل

کوششوں میں کچھ مزا آتا نہیں
وقت کوشش کا گیا شاید نکل

اب سنو حالی کے نوحے عمر بھر
ہو چکا ہنگامۂ مدح و غزل

م

مدرسے میں دہر کے رو بر قضا بیٹھے تھے ہم
اٹھ بس اب ویسے ہی کورے جیسے آ بیٹھے تھے ہم

پھر وہی ہم ہیں کہ ہر عشوہ پہ ہیں کافر کے لوٹ
زال دنیا سے ابھی ہو کر خفا بیٹھے تھے ہم

صحبتیں اہل ورع کی سب گئیں نظروں سے گر
بزم رنداں میں یونہیں اک دن جا بیٹھے تھے ہم

شیخ دنیا کی حقیقت رہ کے دنیا میں کھلی
ورنہ دھوکا دور سے دیکھ کر کھا بیٹھے تھے ہم

ہم نہ تھے آگاہ واعظ زشت خوئی سے تری
آدمی تجھ کو سمجھ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم

سعی کا انجام پہلے ہی سے آتا تھا نظر
ہاتھ ساحل ہی پہ پہلے سے اٹھا بیٹھے تھے ہم

ہے خود دنیا ہی تباہی حالیٔ پشیمان
دین تک دنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم

خوبیاں اپنے میں گو بے انتہا پاتے ہیں ہم
پر ہر اک خوبی میں داغ اک عیب کا پاتے ہیں ہم

خوف کا کوئی نشان ظاہر نہیں افعال میں
گو کہ دل میں متصل خوف خدا پاتے ہیں ہم

کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نمائش کے نہیں
پر گنہ چھپ چھپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم

دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں رکھ سکتے باز
گرچہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم

دل میں درد عشق نے مدت سے کر رکھا ہے گھر
پر اسے آلودہ حرص و ہوا پاتے ہیں ہم

ہو کے نادم جرم سے پھر جرم کرتے ہیں وہی
جرم سے گو آپ کو نادم سدا پاتے ہیں ہم

ہیں فدا ان دوستوں پر جن میں ہو صدق و صفا
پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم

گو کسی کو آپ سے ہونے نہیں دیتے خفا
اک جہان سے آپ کو لیکن خفا پاتے ہیں ہم

جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے مہر و وفا
اپنے میں گر شمہ مہر و وفا پاتے ہیں ہم

بخل سے منسوب کرتے ہیں زمانہ کو سدا
گر کبھی توفیق ایثار و عطا پاتے ہیں ہم

ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں صبر
درد خود کامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم

ٹھہرتے جاتے ہیں جتنے چشم عالم میں بھلے
حال نفس دوں کا اتنا ہی برا پاتے ہیں ہم

جسقدر جھجک جھجک کے ملتے ہین بزرگ و خرد سے   کبر و ناز اتنا ہی اپنے مین سوا پاتے ہین ہم

گو بھلائی کر کے ہمجنسون سے خوش ہوتا ہے جی   تہ نشین اس مین مگر دُرد ریا پاتے ہین ہم

ہے ردائے نیکنامی دوش پر اپنے مگر   داغ رسوائی کے کچھ زیر ردا پاتے ہین ہم

راہ کے طالب ہین پر بے راہ پڑتے ہین قدم   دیکھیے کیا ڈھونڈھتے ہین اور کیا پاتے ہین ہم

نور کے ہنسنے لگے دیکھے ہین ای حالی مگر
رنگ کچھ تیری الاپون مین نیا پاتے ہین ہم

آگے بڑھے نہ قصۂ عشق بتان سے ہم   سب کچھ کہا مگر نہ کھلے راز دان سے ہم

اب بھاگتے ہین سایۂ عشق بتان سے ہم   کچھ دل سے ہین ڈرے ہوے کچھ آسمان سے ہم

خود رفتگی شب کا مزا بھولتا نہین   آئے ہین آج آپ مین یارب کہان سے ہم

درد فراق و رشک عدو تک گران نہین   تنگ آگئے ہین اپنے دل شادمان سے ہم

جنت مین تو نہین اگر اے زخم تیغ عشق   بدلین گے تجھ کو زندگی جاودان سے ہم

لینے دو چین کوئی دم اے منکر و نکیر   آئے ہین آج چھوٹ کے قید گران سے ہم

ہنستے ہین اُسکے گریۂ بے اختیار پر   بھولے ہین بات کہہ کے کوئی راز دان سے ہم

اب شوق سے بگاڑ کی باتین کیا کرو   کچھ پا گئے ہین آپ کی [illegible] دا سے ہم

دلکش ہر ایک قطعۂ صحرا ہے راہ مین   ملتے ہین جا کے دیکھیے کب کاروان سے ہم

لذت تری کلام مین آئی کہان سے یہ
پوچھین گے جا کے حالی جادو بیان سے ہم

ن

یارون کو تجھ سے حالی اب سر گرانیان ہین   نیندین اچاٹ دیتی تیری کہانیان ہین

یاد اسکی دل سے دھو دے ای چشم تر تو جانون   اب دیکھنی مجھے بھی تیری روانیان ہین

بنتے ہین غیر اپنے ہوتے ہین رام وحشی   الفت کی بھی جہان مین کیا حکمرانیان ہین

غیبت ہو یا حضوری دونو بری ہین تیری
جب بدگمانیان تھین اب بدزبانیان ہین

کہتے ہین جسکو جنت وہ اک جھلک ہے تیری
سب واعظون کی باقی رنگین بیانیان ہین

رحمت تری غذا ہی غصہ ترا دوا ہے
شانین ہین تیری جتنی جان جہانیان ہین

ہوگا تو پہلے ہوگا اے چرخ مہربان تو
کچھ ان دنون تو ہمپر نامہربانیان ہین

اپنی نظر مین بھی یان اب تو حقیر ہین ہم
بے غیرتی کی یارو اب زندگانیان ہین

روتے ہین چار ہمپر ہنستے ہین چار ہمپر
یان تک ہماری پہونچی اب ناتوانیان ہین

ہر حکم پر ہون راضی ہر حال مین ہون خوش
حصہ مین اب ہمارے یہ شادمانیان ہین

خاور سے باختر تک جن کے نشان تھے برپا
کچھ مقبرون مین باقی ان کی نشانیان ہین

دیکھا نہین ابھی تک قحط الرجال تم نے
اس سے بھی سخت آتی آگے گرانیان ہین

کھیتون کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیان ہین

فضل و ہنر بڑون کے گر تم مین ہون تو جانین
گر یہ نہین تو بابا وہ سب کہانیان ہین

رونے مین تیرے حالی لذت ہے کچھ نرالی
یہ خون فشانیان ہین یا گلفشانیان ہین

جب سے سنی ہے تیری حقیقت چین نہین اک آن ہمین
اب نہ سنین گے ذکر کسی کا آگے کو ہوے کان ہمین

کچھ روز دن غفلت مین پھرے یان ڈھونڈتے ہم آسایش کو
کھل گئی جب دنیا کی حقیقت کچھ نہ رہا خلجان ہمین

چل کے نئی اک چال فلک نے کھو دیے ہوش حریفون کے
زد سے بچین یا مات قبولین اتنے نہین اوسان ہمین

پاس انھین گر اپنا ذرا ہو جان اپنی بھی ان پہ فدا ہو
کرتے ہین خود ناشنسیان اور کہتے ہین نافرمان ہمین

دادِ طلب سب غیر ہوں جب تو ان میں کسی کا پاس نہ ہو
بتلائی ہے زمانے انصاف کی یہ پہچان ہمیں

صحرا میں کچھ بکریوں کو قصاب چراتا پھرتا تھا
دیکھ کے اُس کو سارے تمھارے آ گئے یاد احسان ہمیں

یاں تو بدولت زہد و ورع کے بچھ گئی خاصی عزت سے
بن نہ پڑا پر کل کے لیے جو کرنا تھا سامان ہمیں

سُر تھے وہی اور تال وہی پر راگنی کچھ بے وقت سی تھی
غُل تو بہت یاروں نے مچایا پڑ گئے اکثر مان ہمیں

غیر سے اب وہ بیر نہیں اور یار سے اب وہ پیار نہیں
بس کوئی دن کا اب حالی یاں سمجھو تم مہمان ہمیں

کی تو ہیں ہم نے بھی حالی کوچ کی تیاریاں
سوجھتی ہیں راہ میں لیکن بہت دشواریاں

خواب راحت میں وہ لذت تیری اے پیری نہیں
جو جوانی میں مزا دیتی تھیں شب بیداریاں

ہیں اگر بیدردیاں اپنوں کی دل کو ناگوار
ناگوار اُن سے سوا غیروں کی ہیں غمخواریاں

ہو کہیں اقبال کی نوبت کہیں ادبار کی
سب کو کرنی ہوں گی پوری اپنی اپنی باریاں

زیست بے عقلوں کو ہو جائے بسر کرنی محال
اتنی بھی لے عاقلو اچھی نہیں ہشیاریاں

بے مزہ ہو اہل دیں کی ترش روئی بھی مگر
اس سے پھیکی اہل دنیا کی ہیں ظاہرداریاں

گو طبیعت سے گئے سب یادِ ہو تا سرِ گل
کم ہوئیں حالی نہ لیکن نفس کی بیماریاں

راز دل کی سرِ بازار خبر کرتے ہیں
آج ہم شہر میں خون اپنا ہدر کرتے ہیں

عقل کی بات کوئی ہم نے کہی ہے شاید
جتنے تھے لائے ہیں سب ہم سے حذر کرتے ہیں

جُرم خالق سے سوا پاتے ہیں جُرم نقصا
جب کہ ہم اپنے گناہوں پہ نظر کرتے ہیں

کم سے کم وعظ میں اتنا تو اثر ہو واعظ ! ● بول قوال کے جو دل میں اثر کرتے ہیں
زہد و طاعت کا سہارا نہیں جب سے زاہد یاد اللہ کو ہم آٹھ پہر کرتے ہیں
عیب یہ ہے کہ کرو عیب ہنر دکھلاؤ ورنہ یاں عیب تو سب فرد بشر کرتے ہیں
غمزدہ رنج و مصیبت پہ کرو نا کہ وہ دل دکھاتے ہیں وہی جسمیں کہ گھر کرتے ہیں
جی رکاوٹ سے جو اُنکی کبھی رک جاتا ہے اک لگاوٹ ہیں ادھر سے وہ ادھر کرتے ہیں
اک بیاں جینے سے بیزار ہمیں ہیں یارب یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں
تلخیاں زیست کی تھوڑی سی ہی ہیں باقی یہ ہم بھی جو خدا چاہے تو سر کرتے ہیں
قیصر و زار کا یاں ہیٹ تو ٹھہرا معلوم بس ہماری ہی طرح وہ بھی گذر کرتے ہیں

کہیں افطار کا حیلہ تو نہ ہو یہ حالی
آپ اکثر رمضان ہی میں سفر کرتے ہیں

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں رخنے نکلیں گے سیکڑوں اسمیں
کی نصیحت بری طرح ناصح اور اک بس ملا دیا بس میں
ہو نہ بینا تو فرق پھر کیا ہے چشم انسان و چشم نرگس میں
بیقدم دم ہیں خانقاہوں میں بے عمل علم ہیں مدارس میں
دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز اب دھرا کیا ہے اسمیں اور اسمیں
نہ ہو قبضے میں جب عنان فرس ہیچ ہیں جو ہنر ہیں فارس میں
جس سے نفرت ہو اہل نعمت کو وہی نعمت ہے چشم مفلس میں
ہو فرشتہ بھی تو نہیں انسان درد تھوڑا بہت نہ ہو جس میں
جانور آدمی فرشتہ خدا آدمی کی ہیں سیکڑوں قسمیں
آج کل چرخ صلح جو ہے بہت دیکھیے ہو بگاڑ کس کس میں
کی ہے خلوت پسند حالی نے اب نہ دیکھوگے اُس کو مجلس میں

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہین
ہین سے ناب کے دلال قدح خوار نہین

شہر مین اُن کے نہین جنس وفا کی بکری
بھاؤ ہین پوچھتے پھرتے پہ خریدار نہین

کون سے وہ گل رعنا پہ نواسنج نہین
کون سی نرگس شہلا کے وہ بیمار نہین

کبھی لیلیٰ پہ ہین مفتون کبھی شیرین پہ فدا
اور جو پھر دیکھو تو دونو سے سروکار نہین

اُٹھ نہین سکتی سزا جُرم وفا کی اُن سے
دل پھنسا کر کہین بنتے وہ گنہگار نہین

عیش مین جان فدا کرنے کو تیار ہین وہ
اور جو ہو کیل کا کھٹکا بھی تو پھر یار نہین

نت نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا اُن کو
دربدر جھانکتے پھرنے سے اُنھین عار نہین

بوالہوس کام طلب بندۂ نفس اہل ہوا
ایک عالم ہے اسی رنگ مین دوچار نہین

دعوئ عشق و محبت پہ نہ جانا اُن کے
اِن مین گفتار ہی گفتار ہے کردار نہین

کہے حالی بھی اگر عاشق صادق ہو نہین
کہدو واللہ کہ صادق نہین زنہار نہین

پھونکا ہے فصل گل نے صور آکے پھر چمن مین
اِک حشر سا ہے برپا مُرغان نغمہ زن مین

بلبل کے آگ سی کچھ تن من مین لگ رہی ہے
بجلی گری فلک سے یا گل کھلا چمن مین

بادِ صبا گئی پھونک کیا جانے کان مین کیا
پھولے نہین سماتے غنچے جو پیرہن مین

چُپ ہے زبان سوسن حیران ہے چشم نرگس
قدرت کا دیکھ جلوہ نسرین و نسترن مین

ہین اور تو ادائین ساری سہی قدون کی
پڑتی ہے جان باقی بس سرو نارون مین

ہے عید اہل اسلام یا موسم بہاران
جنگل بسا ہوا ہے سب شہر یاسمن مین

مُنھ سے دھوان سا اُٹھا لیتے ہی نام اسلام
بارود بچھ رہی تھی گویا لب و دہن مین

پھر زخم پھوٹ نکلا حالی نہ چھیڑنا تھا
فصل خزان کا قصہ ذکر گل و سمن مین

گو رو چکے ہین دُکھڑا سو بار قوم کا ہم
پر تازگی وہی ہے اس قصۂ کہن مین

وہ قوم جو جہان مین کل صدر انجمن تھی
تم نے سنا بھی؟ اس پر کیا گذری انجمن مین

پائین بزم بھی اب ملتی نہین اُسے جا روندن مین ہے وہ گلبن پھولا تھا جو چمن مین
یونان کی جو تین ہے مرغوب اب وہ ملت تھی سہمناک کل تک جو شیر کے بدن مین
وہ دن گئے کہ حکمت تھی مستند یمن کی[۱] ہے اب بجائے حکمت خاک اُڑ رہی یمن مین
وہ دن گئے کہ موتی مشہور تھے عدن کے ہے کال موتیون کا اب سربسر عدن مین
قبر اویس پر ہے بس فخر اب قرن کو زندہ اویس کوئی باقی نہین قرن مین
اس باغ کی خزان نے کچھ خاک سی اُڑا دی فصل بہار گویا آئی نہ تھی چمن مین
ڈالی نہ ہوگی آگے اے دورِ چرخ شاید جو ابکی تو نے ہلچل ڈالی ہے انجمن مین
فوج اور بھیر دونون پھرتی ہین بے سری کر گویا امیر لشکر مارا گیا ہے رن مین
خرد و بزرگ سارے ہین بدحواس گویا لٹنے کی قافلہ کے پہونچی خبر وطن مین
بھولی ہوئی ہین ڈارین ہرنون کی چوکڑی سب جائین کدھر کہ ہر سو دَون لگ رہی ہے بن مین
حالی بس اب نہین یان سننے کی تاب باقی مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت ترے سخن مین

نوکِ زبان نے تیری سینون کو چھید ڈالا
ترکش مین ہے یہ پیکان یا ہے زبان دہن مین

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہان اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہان
ہین دورِ جام اول شب مین خودی سے دور ہوتی ہے آج دیکھیے ہم کو سحر کہان
یارب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر تھا اسکو ہم سے ربط مگر اسقدر کہان
اِک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہان
بس ہو چکا بیان کسل و رنج راہ کا خط کا مرے جواب ہے اے نامہ بر کہان
کون و مکان سے ہے دلِ وحشی کنارہ گیر اس خانمان خراب نے ڈھونڈھا ہے گھر کہان

۱ یمن کی نسبت حدیث مین آیا ہے کہ "الایمان یمان والحکمۃ یمانیۃ" یعنی ایمان ہے تو یمن کا ہے اور حکمت ہے تو یمن کی ہے" اسی بنا پر میر باقر داماد نے اپنے فلسفہ کا نام حکمۃ یمانیہ رکھا ہے ۱۲

ہم جس پہ مر رہے ہین وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم مین تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہان

ہوتی نہین قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زبان مین اثر کہان

حالی نشاطِ نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہان

بیابان نہ جام ہے کدورت بزمِ دوران مین
خزان کو لے گئے ہمراہ اگر پہنچے گلستان مین

نہین کچھ منحصر وابستگی زلفِ پریشان مین
جو دل چاہے تو اُلجھے اک غبارِ پود و پیچان مین

اگر چھوڑا کمندِ جذبۂ عشقِ زلیخا نے
نہ رہنے دے گا حسنِ خود نما یوسف کو کنعان مین

تصوف نے بھلایا تیرے ذوقِ شادی و غم کو
نہ کچھ کلفت ہے زندان مین نہ کچھ راحت شبستان مین

خوشی مین بھی نہین رہنا خوش آتا ایک حالت پر
کہان تک جی نہ گھبرائے الٰہی دردِ ہجران مین

زبان تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز
نہ پوچھو ہم سے کیا دیکھا ہے ہم نے بزمِ اخوان مین

فلک سے چھینتے جی معلوم لینا کام دل اے خضر
سوائے طولِ حسرت کیا دھرا ہے آبِ حیوان مین

نہ چھوڑے گی محبت یار سے ناکام عاشق کو
نسیمِ مصر کو آنا ہے اک دن بیتِ احزان مین

گل و نسرین تو کیا فرقت مین جی تک کٹ جاتا ہے
ہمارا بھی کبھی لگتا تھا دل سیرِ گلستان مین

بہت دن چاہئین یوسف کو تا پہنچے زلیخا تک
نکل کر چاہِ کنعان سے ابھی رہنا ہے زندان مین

نہ دی حیرت نے حالی فرصتِ سیرِ جہان اک دم
رہے ہم شہر مین ایسے کہ تھے گویا بیابان مین

اب وہ اگلا سا التفات نہین
جس پہ بھولے تھے ہم وہ بات نہین

مجھ کو تم سے ہے اعتمادِ وفا
تم کو مجھ سے پر التفات نہین

رنج کیا کیا ہین ایک جان کے ساتھ
زندگی موت ہے حیات نہین

یون ہی گذرے تو سہل ہے لیکن
فرصتِ غم کو بھی ثبات نہین

کوئی دل سوز ہو تو کیجے بیان
سرسری دل کی واردات نہین

ذرّہ ذرّہ ہے مظہرِ خورشید — جاگ اے آنکھ دن ہے رات نہین

قیس ہو کوہکن ہو یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہین

کچھ ہنسی کھیل سنبھلنا غمِ ہجران مین نہین — چاک دل مین ہے مرے جو کہ گریبان مین نہین
کھو دیا یاس نے ذوقِ خلشِ فکرِ وصال — اک مزا تھا سو وہ اب کاوشِ پنہان مین نہین
ہنسنے کی سیرِ چمن غور سے لے بلبلِ زار — بات چھپتی ہوئی کوئی گل و ریحان مین نہین
عشق نے مصر مین سو بار زلیخا سے کہا — فتنۂ دہر ہے جو حسن وہ کنعان مین نہین
مجتنب اصدق و صفا یان ہین انھین کے دم تک — مصلحت یہ بھی صحبتِ رندان مین نہین
یان بھی ہے کون دمکان سے دلِ وحشی آزاد — جسکو ہم قید سمجھتے ہین وہ زندان مین نہین
ٹھیرتے ٹھیرتے دل یون ہی ٹھہر جائے گا — بات جو آج ہے وہ کل غمِ ہجران مین نہین
کس طرح اُسکی لگاوٹ کو بناوٹ سمجھون — خط مین لکھا ہے وہ القاب جو عنوان مین نہین
دی ہے واعظ نے کن آداب کی تکلیف نہ پوچھ — ایسے اُلجھاؤ ترے کاکلِ پیچان مین نہین
آدمی ہو تو کبھی پاسِ محبت کے نہ جائے — اب بھی کہتے ہین کہ ہم غیر کے نقصان مین نہین
بیقراری تھی سب امیدِ ملاقات کے ساتھ — اب وہ اگلی سی درازی شبِ ہجران مین نہین

حالی زار کو کہتے ہین کہ ہے شاہد باز
یہ تو آثار کچھ اس مردِ مسلمان مین نہین

غمِ فرقت ہی مین مرنا ہو تو دشوار نہین — شادیِ وصل بھی عاشق کو سزاوار نہین ق
خوبروؤن کے لیے زشتیِ خو بھی ہے ضرور — سچ تو یہ ہے کہ کوئی تجھ سا طرحدار نہین
قول دینے مین تامل نہ قسم سے انکار — ہم کو سچا نظر آتا کوئی اقرار نہین
کل خرابات مین اک گوشے سے آتی تھی صدا — دل مین سب کچھ ہے مگر رخصتِ گفتار نہین
حق ہوا کس سے ادا اُس کی وفاداری کا — جسکے نزدیک جفا باعثِ آزار نہین

دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے وہاں کون سی راہ
کعبہ و دیر سے کچھ ہم کو سروکار نہیں

ہونگے قائل وہ ابھی مطلع ثانی سنکر
جو تجلی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں

ق
ہیں تو ہیں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں
اک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں

کچھ پتا منزل مقصود کا پایا ہم نے
جب یہ جانا کہ ہمیں طاقت رفتار نہیں

چشم بد دور بہت پھرتے ہیں اغیار کے ساتھ
غیرت عشق سے اب تک وہ خبردار نہیں

ہو چکا ناز اٹھانے میں ہے گو کام تمام
لیک اتنا کہ باہم کوئی تکرار نہیں

مدتوں رشک نے اغیار سے ملنے نہ دیا
دل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ عار نہیں

اصل مقصود کا ہر چیز میں ملتا ہے پتا
ورنہ ہم اور کسی شے کے طلبگار نہیں

بات جو دل میں چھپائے نہیں بنتی حالی
سخت مشکل ہے کہ وہ قابل اظہار نہیں

وحشت میں تھا خیال گل و یاسمن کہاں
لائی ہے بوئے انس نسیم چمن کہاں

ہے بندگی کے ساتھ یہاں ذوقِ بیدلی
جائیگا دیر چھوڑ کے اب برہمن کہاں

اہل طریق جس کو سمجھتے ہیں زاد راہ
دامن وہ کل دست برد کو لیے راہزن کہاں

فصل خزاں کمین میں ہے صیاد گھات میں
مرغ چمن کو فرصت سیر چمن کہاں

لاتا ہے دلکو وجد میں اک حرف آشنا
لیجائیے ہم کو دیکھیے ذوق سخن کہاں

جی ڈھونڈتا ہے بزم طرب میں انھیں مگر
وہ آئے انجمن میں تو پھر انجمن کہاں

دل ہو گیا ہے لذت غربت سے آشنا
اب ہم کہاں ہوائے نشاط وطن کہاں

کہتا ہے خیر ہم بھی سہی دشمن آپ کے
شکوے کو لے گیا ہے وہ بیداد فن کہاں

روکا بہت کل آپ کو حالی نے واں مگر
جاتا ہے محو شوق کا دیوانہ پن کہاں

ق

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں — مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں
قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح — لگا دو آگ کوئی آشیاں میں
کوئی دن بو الہوس بھی شاد ہو لیں — دھرا کیا ہے اشارات نہاں میں
کہیں انجام آ پہنچا وفا کا — گھلا جاتا ہوں اب کے امتحاں میں
نیا ہے لیجیے جب نام اس کا — بہت وسعت ہے میری داستاں میں
دل پُر درد سے کچھ کام لوں گا — اگر فرصت ملی مجھکو جہاں میں
بہت جی خوش ہوا حالی سے ملکر — ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

و

ق

مرے دل میں ہو گو مجھ سے نہاں ہو — مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو
نہ چھیڑو ان تذکرہ وصل عدو کا — اگر سمع مبارک پر گراں ہو
تقاضائے محبت ہے وگرنہ — مجھے اور جھوٹ کا تم پر گماں ہو
بہت بیقدر ہوں محفل میں تیری — کہیں ناخواندہ تو بھی میہماں ہو
مجھے ڈالا ہے سو وہم و گماں میں — بہت کیوں آج مجھ پہ مہرباں ہو
کمر خوں پر ہمارے باندھ رکھے — جسے سننی ہماری داستاں ہو

مؤثر ہے بہت حالی ترا وعظ
کل اُسکے سامنے بھی کچھ بیاں ہو

حکم ہے پیر مغاں کا کہ جوانی نہ گنواؤ — خیر کفارۂ عصیاں ہے ہوا در پلاؤ
دل کو کس طرح سمجھئے کہ وہی ہے یہ دل — وہ امیدیں ہیں نہ ارماں وہ اُمنگیں ہیں نہ چاؤ
یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غیر — تو تو اچھا ہے مگر تیرے بُرے ہیں برتاؤ
دوست ہوں جسکے ہزاروں وہ کسی کا نہیں دوست — سچ بتا تجھکو کسی سے بھی ہے دنیا میں لگاؤ
تو وہی برق جہاں سوز ہے بن خواہ نہ بن — ہے برابر ترا بے ساختہ پن اور بناؤ

ایک ہی دوست اور اُس سے ہین چھپواتے ہو
ناصحو اب مجھین دشمن کہین یا دوست بناؤ

ہو گیا ذکر قیامت تو اجیرن واعظ
باتین کچھ اور کرو قصہ کوئی اور سناؤ

تجھکو اے ابر بلا دیکھ کے جی چھوٹ گیا
ایک ہی بار تم اے بادلو اس طرح نہ چھاؤ

ہاں پہنچ اے خضر کہ ہے وقت مددگاری کا
ڈگمگاتی ہی بہت بیڑے منجدھار مین ناؤ

دیکھین کسطرح نہ سرسبز ہو پھر کشت امید
آؤ اور ندیان آج آنسوؤن کی دل کے بہاؤ

اے شرافت تجھے بکنا ہو اگر مفت تو بک
آج کل تجھے کیا ہے یہی بازار کا بھاؤ

قافلے ساتھ کے جا پہونچے حرم تک کبکے
وقت اب ہاتھ سے جاتا ہے جو آتے ہو تو آؤ

اُس کے نالون نے کیا بزم کو آخر بے لطف
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل مین بلاؤ

ھ

در فیض حق بند جب تھا نہ اب کچھ
فقیروں کی جھولی مین ہے اب بھی سب کچھ

ہر اک کو نہین ملتی یان بھیک زاہد
بہت جانچ لیتے ہین دیتے ہین تب کچھ

کچھ اور آڈین کر تم اے میر و مرزا
نہین پوچھتے یان حسب اور نسب کچھ

یہ طبل تہی ہین جو بنکارتے ہین
جنھین کچھ خبر ہے وہ کہتے ہین کب کچھ

دیا تونے یان جس بہانے سے چاہا
ہنر کام آیا نہ علم و ادب کچھ

ہوا افسردہ مجلس کی خست سے واعظ
وہ گرمائے گا یہ سیکھین گے جب کچھ

تم اپنی سی کہنی تھی جو کہ چکے سب
نہین ناصحو تم پہ الزام اب کچھ

یہ ہے میر مجلس کہ جینے کی مورت
ٹٹولو تو ہیچ اور دیکھو تو سب کچھ

کوئی لقمہ رچیتا کا ہے شاید
یہ حالی کی غفلت نہین بے سبب کچھ

بڑھاؤ نہ آپس مین ملت زیادہ
مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ

تکلف علامت ہے بیگانگی کی — نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ
کرو دوستو پہلے آپ اپنی عزت — جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ
نکالو نہ رخنے نسب میں کسی کے — نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ
کرو علم سے اکتساب شرافت — نجابت سے ہے یہ شرافت زیادہ
فراغت سے دنیا میں دم بھر نہ بیٹھو — اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ
جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زباں سے — نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ
مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا — مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ
کرو ذکر کم اپنی داد و دہش کا — مبادا کہ ثابت ہو خست زیادہ
پھر اوروں کی تکتے پھروگے سخاوت — بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ
کہیں دوست تم سے نہ ہو جائیں بدظن — جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ
جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا — نہ رکھو امیروں سے ملت زیادہ
وہ افلاس اپنا چھپاتے ہیں گویا — جو دولت سے کرتے ہیں نفرت زیادہ
نہیں چھپتے عیب اتنی ثروت سے تیرے — خدا دے تجھے خواجہ ثروت زیادہ
ہے الفت بھی وحشت بھی دنیا سے لازم — پہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا — مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ
بکے مفت یاں ہم زمانہ کے ہاتھوں — پہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ
ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر — نہیں بس اب اے عقل مہلت زیادہ

غزل میں وہ رنگ نہیں تیری حالی
الاپیں نہ بس آپ وحدت زیادہ

حقیقت محرم اسرار سے پوچھ — مزا انگور کا مے خوار سے پوچھ ق
وفا اغیار کی اغیار سے سن — مری الفت در و دیوار سے پوچھ

ہماری آہ بے تاثیر کا حال / کچھ اپنے دل سے کچھ اغیار سے پوچھ
دلوں میں ڈالنا ذوق اسیری / کمند گیسوے خمدار سے پوچھ
دل مہجور سے سن لذت وصل / نشاط عافیت بیمار سے پوچھ
نہیں جز گریۂ غم حاصل عشق / ہماری چشم دریا بار سے پوچھ
نہیں آب بقا جز جلوۂ دوست / کسی لب تشنۂ دیدار سے پوچھ
فریب وعدۂ دیدار کی قدر / شہید خنجر انکار سے پوچھ
فغان شوق کو مانع نہیں وصل / یہ نکتہ عندلیب زار سے پوچھ
تصور میں کیا کرتے ہیں جو ہم / وہ تصویر خیال یار سے پوچھ

متاع بے بہا ہے شعر حالی
مری قیمت مری گفتار سے پوچھ

ی

ہے اُنکی دوستی پر ہم کو تو بدگمانی / وہ ہم کو دوست کہیں یہ انکی مہربانی
بیجرم کوئی آخر کب تک سُنے ملامت / ناصح سے ہمکو اپنی کہنی پڑی کہانی
عاشق کے دلکو ٹھنڈک جیسی ہی گئی ہے / دیتا نہیں ہے وہ لذت پیاسے کو سرد پانی
امید وصل سی ہی کچھ جی چھوڑا سے دیتا / جو کچھ سنا ہے ہمنے مشتاق کی زبانی
ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں ہوں خوش / کچھ ہے اگر تو یہ ہے دنیا میں شادمانی
صبر و سکون سے ہمکو یہ بھی نہ بیٹھنے دے / تھوڑی سی رہ گئی ہے لے دے کے کاہش نہانی
پھر یہ بنائے ہستی ہو پھر سے بعد ویران / ہے تو بھی اب غنیمت اے ضعف ناتوانی
دیکھا جمال جانان آنکھوں نے اور نہ دل نے / کیا جانے کس ادا سے کی اُس نے دلستانی

اک نکتہ کے بیان سے سر بر ہو گی حالی
چلتا نہیں کسی کا یاں لاف نکتہ دانی

کہدو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہین پیاسے — گر مے نہین دیتے زہر ہی کا جام پلا سے
جو کچھ ہے سو ہے اُسکے تغافل کی شکایت — قاصد سے ہے تکرار نہ جھگڑا ہے صبا سے
دلالہ نے امید دلائی تو ہے لیکن — دیتے نہین کچھ دل کو تسلی یہ دلاسے
ہے وصل تو تقدیر کے ہاتھ اے شہ خوبان — یان ہین۔ تو فقط تیری محبت کے ہین پیاسے
پیاسے ترے سرگشتہ ہین جو راہ طلب مین — ہونٹون کو وہ کرتے نہین تر آب بقا سے
درگذرے دوا سے تو بھروسے پہ دعا کے — درگذرین دعا سے بھی دعا ہے یہ خدا سے
اک درد ہو بس آٹھ پہر دل مین کہ جس کو — تخفیف دوا سے ہو نہ تسکین دعا سے
حالی دل انسان مین ہے گم دولت کونین — شرمندہ ہون کیون غیر کے احسان و عطا سے

جب وقت پڑے دیجئے دستک در دل پر
جھکئے فقرا سے نہ جھکئے امرا سے

کبک و قمری مین ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے — کل بتا دے گی خزان یہ کہ وطن کس کا ہے
فیصلہ گردش دوران نے کیا ہے سو بار — مرو کس کا ہے بدخشان و ختن کس کا ہے
دم سے یوسف کے جب آباد تھا یعقوب کا گھر — چرخ کہتا تھا کہ یہ بیت حزن کس کا ہے
مطمئن اس سے مسلمان نہ مسیحی نہ یہود — دوست کیا جانئے یہ چرخ کہن کس کا ہے
واعظ اک عیب سے تو پاک ہے یا ذات خدا — ورنہ بے عیب زمانہ مین چلن کس کا ہے
آج کچھ اور دنون سے ہے سوا استغراق — عزم تسخیر پھر اے شیخ زمن کس کا ہے
آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہل نظر کی تم پر — تم مین روپ اے گل و نسرین و سمن کس کا ہے
عشق اُدھر عقل اُدھر دھن مین چلے ہین تیری — رستہ اب دیکھئے دونون مین کٹھن کس کا ہے
شان دیکھی نہین گر تو نے چمن مین اسکی — ولولہ تجھ مین یہ اے مرغ چمن کس کا ہے

ہین فصاحت مین مثل واعظ و حالی دونو
دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

ہوا کچھ اور ہی عالم مین چلتی جاتی ہے
ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہے

عجب نہین کہ رہے نیک و بد مین کچھ نہ تمیز
کہ جو بدی ہے وہ سانچے مین ڈھلتی جاتی ہے

سپاہ و میر سپہ باغ باغ ہین لیکن
بہیر روتی ہے اور ہاتھ ملتی جاتی ہے

کہا جو مین نے وفا کرتے آئے ہین احباب
کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے

قلق انھین نہین گر دوستون سے چھٹنے کا
طبیعت اپنی بھی کچھ کچھ سنبھلتی جاتی ہے

بہت سے کھو دیے خلجان بے نوائی نے
ضرورت ایک کے بعد ایک ٹلتی جاتی ہے

ہوئے ہین بار امانت سے تیرے سب عاجز
زمین بھی اپنے خزانے اگلتی جاتی ہے

اڑے گی خاک تقدس کی اب سر بازار
فقیہ و شیخ مین جوتی اچھلتی جاتی ہے

نہ خوف مرنے سے جب تھا نہ اب ہے کچھ حالی
مگر اک جھجک تھی سو وہ بھی نکلتی جاتی ہے

بری اور بھلی سب گذر جائے گی
یہ کشتی یونہین پار اتر جائے گی

ملے گا نہ گلچین کو گل کا پتا
ہر اک پنکھڑی یون بکھر جائے گی

رہین گے نہ ملاح یہ دن سدا
کوئی دن مین گنگا اتر جائے گی

ادھر ایک ہم اور زمانہ ادھر
یہ بازی تو سو بسوے ہر جائے گی

بناوٹ کی شیخی نہین رہتی شیخ!
یہ عزت تو جائے گی پر جائے گی

نہ پوری ہوئی ہین امیدین نہ ہون
یونہین عمر ساری گذر جائے گی

سنین گے نہ حالی کی کب تک صدا
یہی ایک دن کام کر جائے گی

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاقی
کہ ان کے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہین باقی

نہین خالی حضر سے دشمنون کی لوٹ بھی لیکن
حذر اس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی

نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تو نے گلشن مین
یہ گلچینی ہے یا لٹس ہے گلچین یا ہے قزاقی

کمالِ کفش دوزی علم افلاطون سے بہتر ہے | یہ وہ نکتہ ہے سمجھے جسکو مشائی نہ اشراقی
رہی دانائی آخر غالب آکر پہلوانی پر | گئے جیت ہان سب حبشی و فرغانی و قبچاقی
ہمارے نطق ہی انعام کے قابل نہین ورنہ | لنڈھاتا خم پہ خم غیرون پہ کیون مسکراکر ساقی

مدارج کوشش و تدبیر کے سب ہو چکے حالی
بلند رہ گیا ہے دیکھنا اک غیب کا باقی

اہل معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی | بزم مین اہل نظر بھی ہین تماشائی بھی
اپنے اور غیر کے حق کی نہین کچھ رکھتے تمیز | اسمین شہری بھی ہین کچھ ہی بھی ہین صحرائی بھی
دیکھ سب ایک نظر رکھتے ہین اور ایک سی | اسمین مسلم بھی ہین ہندو بھی ہین عیسائی بھی
جو چھپاتے نہین حق اندیشۂ رسوائی سے | گھات مین انکے لگی بیٹھی ہے رسوائی بھی
دوست اگر بھائی نہو دوست ہے تو بھی لیکن | بھائی گر دوست نہین تو نہین کچھ بھائی بھی
اے غم دوست کبھی پر نہین اپنی گذران | کچھ فتوح اسکے سوا اور ہے بالائی بھی
دل غنی رکھتے ہین لے دولت دنیا جو لوگ | تیور اُن کے کبھی تو دیکھ کے شرمائی بھی
عقل ہے اپنی حماقت کے چھپانے کو نہین | جنمین کچھ ساتھ حماقت کے ہے خودرائی بھی
عقل اور حسن پہ جن کے بھری مجلس ہو گیا | اُن کو خودرائی بھی پھبتی ہے خود آرائی بھی
ملنے دیگی نہ اجل تم سے ہمین جی بھرکر | فرصت اے دوستو دنیا سے اگر پائی بھی

جی گئے ہم پہ رہی مردون سی بدتر حالی[2]
دیکھ لی ہم نے طبیبون کی مسیحائی بھی

رہا کھل کے زاہد کا زہد ریائی | بنائی بہت بات پر بن نہ آئی
بڑائی ہے رندون مین بھی شیخ لیکن | کہان یہ بڑائی کہان وہ بڑائی
گناہون سے بچنے کی صورت نہین جب | عبادت مین کیون جان ناحق کھپائی

[1] یعنی غمِ دنیا و غمِ زن و فرزند وغیرہ ۱۲ [2] اپنے دائم المرض ہونے کی طرف اشارہ ہے ۱۲

رکا ہاتھ جب بن گئے پارسا تم — نہین پارسائی یہ ہے نارسائی
بڑا آپ کو وہ سمجھتا ہو ہم سے — سوا اسکے منعم مین ہو کیا بڑائی
جو کہیے تو جھوٹی جو سنیے تو سچی — خوشامد بھی ہم نے عجب چیز پائی
ہوئی آکے پیری مین قدر جوانی — سمجھ ہم کو آئی پہ ناوقت آئی
وہی جو کہ کرتا ہے رائی کو پربت — وہ پربت کو بھی کر دکھاتا ہو رائی
جوانی مین عاشق تھے اب ہم ہین ناصح — جو وان دل پہ لی تھی تو یان منہ کی کھائی

قیاس آپ پر سب کو کرتے ہو حالی
نہین اب بھی اچھوں سے خالی خدائی

وصل کا اب بھی دل زار تمنائی ہے — نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہو
قطع امید نے دل کر دیے یکسو، صد شکر — شکل مدت مین یہ امید نے دکھلائی ہو
قوت دست خدائی ہے شکیبائی مین — وقت جب آکے پڑا ہے یہی کام آئی ہو
ڈر نہین غیر کا۔ جو کچھ ہے سو اپنا ڈر ہے — ہمنے جب کھائی ہو اپنے ہی سے زک کھائی ہو
شہر مین چپ رہون جنگل مین مجنون ہون — پند یہ پیر خرابات نے فرمائی ہو
نظر آتی نہین اب دل مین تمنا کوئی — بعد مدت کے تمنا مری بر آئی ہو

بات سچی کہی اور انگلیان اٹھین سب کی
سچ مین حالی کوئی رسوائی سی رسوائی ہو

اتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہے — جس قدر کرنی ملامت اور کو آسان ہو
سامنا ہو موت کا ہونا محبت سے دوچار — آئے اس میدان مین تنہا اگر کچھ جان ہو
دیکھ لے بلبل ذرا گلبن کو آنکھین کھول کر — پھول لین گر آن ہو کانٹے مین بھی اک شان ہو
عقل پھیلی پر نہ سمٹی حرص و آز انسان کی — لے نہ اب نام آدمیت کا اگر انسان ہو
چیونٹون مین اتحاد اور مکھیون مین اتفاق — آدمی کا آدمی دشمن خدا کی شان ہو

تجھ مین جوت اے شمع ہو کس بت عالم سوز کی — جان و دل سے تجھ پہ پروانہ جو یون قربان ہے
دل مین حالی کے ہے باقی نہین ارمان کچھ
جی مین ہو کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہو

تم مین وہ سوز نہ تم مین ہو وہ ایمان باقی — رہ گیا کیا ہو اب اے گبر و مسلمان باقی
بزم دعوت مین رسائی ہوئی اپنی اُسوقت — میزبان جب نہ رہا کوئی نہ مہمان باقی
حق ادا اک نگہِ لطف کا ہوگا کیونکر — دل و دین لے چکے اور ہو ابھی احسان باقی
ظاہرا درد ہی اُلفت کا نہین چارہ پذیر — ورنہ چھوڑا نہین ہم نے کوئی درمان باقی
توشہ موجود ہو حالی نہ سواری نہ رفیق
ابھی کرنے ہین بہت کوچ کے سامان باقی

جب یہ کہتا ہون کہ بس دنیا پہ اب تُف کیجیے — نفس کہتا ہو ابھی چندے توقف کیجیے
وان رسائی ہو صبا کی اور نہ قاصد کو ہو بار — اُس سے آخر کس طرح پیدا تعارف کیجیے
ضبط کیجے دردِ دل تو ضبط کی طاقت نہین — اور کھلا جاتا ہے رازِ دل اگر اُف کیجیے
دوست کے تیور ہین ہم ہر رنگ مین پہچانتے — بے تکلف سے ملیے ہم سے یا تکلف کیجیے
جبکہ عقبیٰ مل گئی دُنیا ہے پھر سہل الوصول — شیخ لگتے ہاتھ اس پر بھی تصرف کیجیے
وقت تھا جو کام کا حالی گنوا بیٹھے اُسے — چاہیے اب عمر بھر بیٹھے تاسف کیجیے
تو بہ حضرت کی یونہین اک دو دن کا سا ہے اُبال
ہم دکھا دینگے ذرا دم بھر توقف کیجیے

فکرِ فردا کی گلے پڑ گئی عادت کیسی — جان کو ہم نے لگا لی ہے یہ علت کیسی
جب خزان ہو گئی آخر تو رہا بیم خزان — جن کی قسمت مین ہو کلفت اُنھین راحت کیسی
جی کا اُلفت کو سمجھتے تھے ہم اک بہلاوا — وہ تو آفت تھی ہماری لیے الفت کیسی
جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع نادان — قیدِ ہستی مین مری جان فراغت کیسی

عیب جوئی سے نہیں خلق کو دم بھر فارغ — جنکو کچھ کام نہیں یاں انہیں فرصت کیسی
جو حقیقت سے ہیں آگاہ تری اے دنیا — وہ نہیں جانتے ہوتی ہے مصیبت کیسی
جانتا ہے وہی، دل پہ ہے گذرتی جسکے — ہم کہیں کس سے کہ درپیش ہے حالت کیسی
ہم نے اول سے پڑھی ہے یہ کتاب آخر تک — ہم سے پوچھے کوئی ہوتی ہے محبت کیسی
جبکہ رہتا نہیں قابو میں دل اپنے ناصح — وہی کچھ کام نہیں کرتی نصیحت کیسی

نظر آتا تھا یہ پہلے ہی سے حالی انجام
یار کی ہیں یہی کیوں ہوئے عنایت کیسی

سعی سے بہتر تن آسانی مری — کفر سے بدتر مسلمانی مری
تھا نہ محتاج سبب عفو کریم — کچھ نہ کام آئی پشیمانی مری
خلد میں بھی گر رہی یاد اسکی زلف — کم نہ ہو شاید پریشانی مری
ہے لباس جسم تک مجھ پر گراں — دور جا پہنچی ہے عریانی مری
مانع گلگشت ہے بیم خزاں — موت کرتی ہے نگہبانی مری
قدر نعمت ہے بقدر انتظار — حشر پر ٹھہری ہے مہمانی مری

خندہ زن ہے اس مسلمانی پہ کفر
جیسی ہے حالی مسلمانی مری

پردے بہت سے دل میں بھی درمیاں ہے — شکوے وہ سب سنا کے اور مہرباں ہے
کیا کیا ہیں دل میں دیکھیے ارمان بھرے ہوئے — ہم میزباں نہیں جو کوئی میہماں ہے
حیراں ہیں ہاتھ سے خود آرائش امید — اب تک تو ہم جہاں ہیں بہت شادماں ہے
پوچھی گئی نہ بات کہیں پاس وضع کی — اتنے ہی ہم سبک ہیں جتنے گراں ہے
ہر دو جہاں کو تیرے نشانوں سے بھر دیا — اپنے رقیب آپ رہے ہم جہاں ہے
دارا و جم کو تیرے گداؤں پہ رشک ہو — نرخ متاع عشق الٰہی گراں ہے

حالی سے مل کے ہو گئے تم افسردہ بہت
اگلے سے لوگ وہ اب اُس میں کہاں رہے

کل مدعی کو آپ پہ کیا کیا گماں رہے
بات اُس کی کاٹتے رہے اور ہمزباں رہے

یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

یا کھینچ لائے دیر سے رندوں کو اہل وعظ
یا آپ بھی ملازم پیر مغاں رہے

وصل مدام سے بھی ہماری بجھی نہ پیاس
ڈوبے ہم آب خضر میں اور نیمجاں رہے

کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کا روسیاہ
تم مدعی کے گھر گئے اور میہماں رہے

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

حالی کے بعد کوئی نہ ہمدرد پھر ملا
کچھ راز تھے کہ دل میں ہمارے نہاں رہے

ق حق وفا کے جو ہم جتانے لگے
آپ کچھ کہہ کے مسکرانے لگے

تھا یہاں دل میں طعن وصل عدو
عذر اُن کی زبان پہ آنے لگے

ہم کو جینا پڑے گا فرقت میں
وہ اگر ہمت آزمانے لگے

ڈر ہے میری زبان نہ کھل جائے
اب وہ باتیں بہت بنانے لگے

جان بچتی نظر نہیں آتی
غیر اُلفت بہت جتانے لگے

تم کو کرنا پڑے گا عذر جفا
ہم اگر درد دل سنانے لگے

سخت مشکل ہے شیوۂ تسلیم
ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے

جی میں ہے لوں رضائے پیر مغاں
قافلے پھر حرم کو جانے لگے

سر باطن کو فاش کر یارب
اہل ظاہر بہت ستانے لگے

وقت رخصت تھا سخت حالی پر
ہم بھی بیٹھے تھے جب وہ جانے لگے

ق حشر تک یاں دل شکیبا چاہیے
کب ملیں دلبر سے دیکھا چاہیے

ہے تجلی بھی نقاب روئے یار
اُس کو کن آنکھوں سے دیکھا چاہیے

غیر ممکن ہے نہ ہو تاثیر غم
حال دل پھر اُس کو لکھا چاہیے

ہے دل افگاروں کی دلداری ضرور
گر نہیں اُلفت مدارا چاہیے

ہے کچھ اک باقی خلش امید کی
یہ بھی مٹ جائے تو پھر کیا چاہیے

دوستوں کی بھی نہ ہو پروا جسے
بے نیازی اس کی دیکھا چاہیے

بھا گئے ہیں آپ کے انداز و ناز
کیجیے اغماض جتنا چاہیے

شیخ ! ہے ان کی نگہ جادو بھری
صحبت رندان سے بچنا چاہیے

لگ گئی چپ حالی رنجور کو
حال اُس کا کس سے پوچھا چاہیے

جنون کار فرما ہوا چاہتا ہے
قدم دشت پیما ہوا چاہتا ہے

دم گریہ کس کا تصور ہے دل مین
کہ اشک اشک دریا ہوا چاہتا ہے

خط آنے لگے شکوہ آمیز اُنکے
ملاپ اُن سے گویا ہوا چاہتا ہے

بہت کام لینے تھے جس دل سے ہمکو
وہ صرف تمنا ہوا چاہتا ہے

ابھی لینے پائے نہین دم جہان مین
اجل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے

مجھے کل کے وعدے پہ کرتے ہین رخصت
کوئی وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے

فزون تر ہے کچھ ان دنون ذوق عصیان
در رحمت اب وا ہوا چاہتا ہے

قلق گر یہی ہے تو راز نہانی
کوئی دن مین رسوا ہوا چاہتا ہے

وفا شرط الفت ہے لیکن کہان تک
دل اپنا بھی تجھ سا ہوا چاہتا ہے

بہت حظ اُٹھاتا ہے دل تجھ سے ملکر
قلق دیکھیے کیا ہوا چاہتا ہے

غم رشک کو تلخ سمجھے تھے ہمدم
سو وہ بھی گوارا ہوا چاہتا ہے

بہت چین سے دن گذرتے ہیں حالی
کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

جس کو غصے میں لگاوٹ کی ادا یاد رہے — آج دل لے گا اگر کل نہ لیا یاد رہے
شوق بڑھتا گیا جوں جوں رکے اس شوخ سے ہم — یہ سبق وہ ہے کہ بھولے سے ہوا یاد رہے
ہم بھی آداب شریعت سے تھے آگاہ مگر — نہ وہ برتاؤ میں جو رسم وہ کیا یاد رہے
یاد آؤ گے بہت لطف سمجھ کر کیجیے — اس بھلائی کا ہے انجام برا یاد رہے
شیخ یاں شرم گنہ شوق بھلا دیتا ہے — توبہ ان کی ہے جنہیں اپنی خطا یاد رہے
وادی عشق میں موسیٰ کو ہو گر رخصت دید — ہاتھ کٹوائیں جو پھر کفش و عصا یاد رہے
خضر نے پاؤں اگر دشت فنا میں رکھا — بھول جائیں گے وہ آب بقا یاد رہے
دل بری طرح لگا عشق بتاں میں اے شیخ — دیں پڑا پائیں اگر آپ کے خدا یاد رہے
چارہ گر اکار با اندازہ تدبیر نہیں — کیجیے ہمت اگر وقت دعا یاد رہے

ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں آپ
حضرت اس لطف کا پائیں گے مزا یاد رہے

ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے — آخر کو ہم حوالہ تقدیر کر چکے
افسوس شب وصال کے نالے کارگر نہیں — نالے شب فراق کے تاثیر کر چکے
اے دل اب آزمائش تقدیر کا ہے وقت — وہ امتحان پرسش شمشیر کر چکے
کہتے ہیں طبع دوست شکایت پسند ہے — ہم شکوہ ہائے غیر بھی تحریر کر چکے
بھولے رہے تصور مژگاں میں چند روز — دیکھا تو دل کو ہم ہدف تیر کر چکے
جاں لب تک انتظار میں آئی ہے بار بار — شاید وہ جلد تر نہیں تقصیر کر چکے
دل لے کے ایک میرا یہ فارغ ہوئے ہیں وہ — گویا کہ اک جہان کو تسخیر کر چکے
حالی اب آؤ پیروی مغربی کریں — بس اقتدائے مصحفی و میر کر چکے

نہ واں پرسش نہ یاں تاب سخن ہے … محبت ہے کہ دل میں موجزن ہے
بہت لگتا ہے دل صحبت میں اُسکی … وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے
بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات … مگر ہر بات میں اک سادہ پن ہے
عدو سے بات محفل میں نہ کرنی … جو سچ پوچھو تو جائے سوء ظن ہے
بہت دل میں ترے عاشق کو درکار … تری جو بات ہے وہ دلشکن ہے
دلاتی ہے صبا کس کو چمن یاد … نہیں بلبل نہ گھر میرا چمن ہے
کروں تجھ سے بیاں کچھ درد غربت … مگر جوشش سخن مہر دہن ہے
رہے لاہور میں آکر سُو جانے … یہی دنیا ہے جو دار المحن ہے
نہیں آتی کہیں یاں بوئے یوسف … مگر جو گھر ہے وہ بیت الحزن ہے
یہاں بیگانگی ہے اس قدر عام … کہ بلبل ناشناسائے چمن ہے
نہ کچھ مجنوں کو ہے پروائے لیلیٰ … نہ کچھ شیریں کو درد کوہکن ہے
مجھے تنہا نہ سمجھیں اہل لاہور … تصور میں مرے اک انجمن ہے
مری خلوت میں ہے ہنگامہ بزم … خموشی میں مری ذوق سخن ہے
بتاؤں تم کو ہوں کس باغ کا پھول … جہاں ہر گل بجائے خود چمن ہے
بتاؤں تم کو ہوں کس مصر کی بو … جہاں غربت وطن پر خندہ زن ہے
عدم کی راہ کٹ جاتی کبھی کی … مگر یاد عزیزاں راہزن ہے
نہ لینے دے گا جنت میں بھی آرام … یہی گر جذبۂ مہر وطن ہے

۱؎ یہ غزل تقریباً ۱۲۸۹ھ میں اسوقت لکھی تھی جبکہ اول ہی اول بتقریب ملازمت دلی چھوڑکر لاہور جانا پڑا تھا اس وقت اول تو دلی سے جدا ہونا ہی سخت شاق گزرا تھا۔ دوسرے لاہور میں کسی سے جان پہچان نہ تھی۔ وہاں پہنچتے ہی نہایت سخت وبا آئی۔ اور وبائے ہیضہ کے بعد مدت تک چیچک اور بخار کا دور و شور رہا۔ آخرکار راقم بھی سخت بیمار ہو گیا۔ اس تنہائی اور سراسیمگی و غم و اندوہ کی حالت میں یہ اشعار لکھے گئے تھے ۔

گرین نظرون سے سب باتین پُرانی ― مگر الفت کہ اک رسمِ کہن ہے
بھلا حالی اور الفت سے ہو خالی! ― یہ سب تم صاحبون کا حسنِ ظن ہے

کیا ہے اُس نے کہتے ہین سخن ترک
مگر ہم کو ابھی اس مین سخن ہے

وہ ہم[1] تھی اپنی پارسائی کی ― کی بھی اور کس سے آشنائی کی
کیون بڑھاتے ہو اختلاط بہت ― ہم کو طاقت نہین جدائی کی
منھ کہانتک چھپاؤ گے ہم سے ― تم کو عادت ہے خود نمائی کی
لاگ مین ہین لگاؤ کی باتین ― صلح مین چھیڑ ہے لڑائی کی
ملتے غیرون سے ہو ملو لیکن ― ہم سے باتین کرو صفائی کی
دل رہا پاے بند الفت دام ― تھی عبث آرزو رہائی کی
دل بھی پہلو مین ہو تو یان کس سے ― رکھیے امید دل رُبائی کی
شہر و دریا سے باغ و صحرا سے ― بو نہین آتی آشنائی کی
نہ ملا کوئی غارتِ ایمان ― رہ گئی شرم پارسائی کی
بخت ہمداستانیِ شیدا[2] ― تو نے آخر کو نارسائی کی
صحبتِ گاہ گاہیِ رشکی[3] ― تو نے بھی ہم سے بیوفائی کی
موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے ― ساعت آ پہونچی اس جدائی کی

زندہ پھرنے کی ہے ہوس حالی
انتہا ہے یہ بے حیائی کی

[1] یہ غزل بھی لاہور مین اسی مدت لکھی گئی تھی جبکہ غزل سابق لکھی گئی تھی آخر کے اشعار مین اس امر کیطرف اشارہ بھی کیا گیا ہے ۱۲

[2] شیدا سے مراد منشی محمد کرم اللہ خان صاحب دہلوی ہین کہ اُس زمانہ مین کبھی کبھی فکرِ شعر کرتے تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے ۱۲

[3] رشکی آنریبل نواب محمد علی خان بہادر رئیس جہانگیرآباد کا تخلص ہے ۱۲

ق کر دیا خوگرِ جفا تو نے — خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے
دور پہنچی تھی اپنی آزادی — پر خدا جانے کیا کیا تو نے
کیوں نہ آئیں گے یاں وہ اے ہمدم — بس سنا ہیں نے اور کہا تو نے
گوش و لب ساتھ لائے تھے ہم آج — نہ کہا اور نہ کچھ سنا تو نے
صبر کا سب ہے بہت برا انجام — ہم کو سمجھا ہو دل میں کیا تو نے
ابتدائے وفا ہے سر دینا — میری دیکھی نہ انتہا تو نے
دل سے قاصد بنا کے وعدۂ وصل — اور کھویا رہا سہا تو نے
ایک عالم کو خوش کیا اے رشک — ہم کو کس سے خفا کیا تو نے

جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج
حالیؔ اپنا کہا سنا تو نے

ق کر کے بیمار دی دوا تو نے — جان سے پہلے دل لیا تو نے
رہروِ تشنہ لب نہ گھبرانا — اب لیا چشمۂ بقا تو نے
شیخ جب دل ہی دیر میں لگا — آ کے مسجد سے کیا لیا تو نے
دور ہو لے دلِ مآل اندیش — کھو دیا عمر کا مزا تو نے
ایک بیگانہ وار کر کے نگاہ — کیا کیا چشم آشنا تو نے
دل و دیں کھو کے آئے تھے سوئے دیر — یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے

خوش ہے امیدِ خلد پر حالیؔ
کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

ق دل کو درد آشنا کیا تو نے — درد دل کو دوا کیا تو نے
طبعِ انساں کو دی سرشتِ وفا — خاک کو کیمیا کیا تو نے
وصلِ جاناں محال ٹھہرایا — قتلِ عاشق روا کیا تو نے

تھا نہ جز غم بساط عاشق میں — غم کو راحت فزا کیا تو نے
جان تھی اک وبال فرقت میں — شوق کو جان گزا کیا تو نے
تھی محبت میں ننگ منت غیر — جذب دل کو رسا کیا تو نے
راہ زاہد کو جب کہیں نہ ملی — قطعہ ۱ — در میخانہ وا کیا تو نے
قطع ہونے ہی جب لگا پیوند — ۲ — غیر کو آشنا کیا تو نے
تھی جہاں کارواں کو دینی راہ — عشق کو رہنما کیا تو نے
ناؤ بھر کر جہاں ڈبونی تھی — عقل کو ناخدا کیا تو نے
بڑھ گئی جب پدر کو مہر پسر — اس کو اس سے جدا کیا تو نے
جب ہوا ملک و مال رہزن ہوش — بادشہ کو گدا کیا تو نے
جب ملی کام جان کو لذت درد — درد کو بے دوا کیا تو نے
جب دیا راہرو کو ذوق طلب — سعی کو نارسا کیا تو نے
پردۂ چشم تھے حجاب بہت — حسن کو خودنما کیا تو نے
عشق کو تاب انتظار نہ تھی — غرفہ اک دل میں وا کیا تو نے
حرم آباد اور دیر خراب — جو کیا سب بجا کیا تو نے
سخت افسردہ طبع تھے احباب — ہم کو جادو نوا کیا تو نے
پھر جو دیکھا تو کچھ نہ تھا یا رب — کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے

حالی اٹھا ہلا کے محفل کو
آخر اپنا کہا کیا تو نے

۱؎ اس شعر میں پدر و پسر کا اشارہ حضرت یعقوب و یوسف علیہم السلام کی طرف اور اگلے شعر میں بادشاہ سے مراد ابراہیم ابن ادھم رحمہ اللہ ہیں ۱۲

رباعیات

توحید

کانٹا ہی ہر اک جگر مین اٹکا تیرا حلقہ ہے ہر اک گوش مین لٹکا تیرا
مانا نہین جس نے تجھکو جانا ہی ضرور بھٹکے ہوے دل مین بھی ہے کھٹکا تیرا

ایضاً

ہندو نے صنم مین جلوہ پایا تیرا آتش پہ مغان نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفان مین ہی جب جہاز چکر کھاتا جب قافلہ وادی مین ہی سر ٹکراتا
اسباب کا آسرا ہی جب اٹھ جاتا وان تیرے سوا کوئی نہین یاد آتا

ایضاً

جب لیتے ہین گھیر تیری قدرت کے ظہور منکر بھی پکار اٹھتے ہین تجھکو ضرور
خفاش کو ظلمت کی نہ سوجھی کوئی راہ خورشید کا شش جہت مین پھیلا جب نور

توحید

جب بالیوسی دلون پہ چھا جاتی ہے دشمن سے بھی نام تیرا جپواتی ہے
ممکن ہے کہ سکھ مین بھول جائین اطفال لیکن انھین دکھ مین مان ہی یاد آتی ہے

ایضاً

مٹی سے۔ ہوا سے۔ آتش و آب سے یان کیا کیا نہ ہوے بشر پہ اسرار عیان
پر تیرے خزانے مین ازل سے ابتک گنجینۂ غیب مین اسی طرح نہان[۱]

ایضاً

ہستی سے ہے تیری رنگ و بو سب کے لیے طاعت مین ہے تیری آبرو سب کے لیے
ہین تیرے سوا سارے سہارے کمزور سب اپنے لیے ہین اور تو سب کے لیے

ایضاً

کیا ہوگی دلیل تجھپہ اور اس سے زیاد دنیا مین نہین ہے ایک دل جو کہ ہو شاد
پر۔ جو کہ ہین تجھ سے لو لگائے بیٹھے رہتے ہین ہر ایک رنج و غم سے آزاد

نعت

زہاد کو تو نے محو تمجید کیا عشّاق کو مست لذت دید کیا
طاعت مین رہا نہ حق کی ساجھی کوئی توحید کو تو نے آکے توحید کیا

ایضاً

بطحاے عرب کو محترم تو نے کیا اور اُمیون کو خیر امم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا روم و تتار بچھڑے ہوے گلہ کو بہم تو نے کیا

ایضاً

بطحا کو ہوا تیری ولادت سے شرف یثرب کو ملا تیری اقامت سے شرف

---

[۱] یعنی جو کچھ ابتک ظاہر ہوا ہے وہ بمقابلہ اسکے جو خزانہ غیب مین مخفی ہے کان لم یکن ہے ۱۲

اولاد ہی کو فخر نہیں کچھ تجھ پر — آبا کو بھی ہے تیری اُبوّت سے شرف

صلح کل

ہندو سے لڑیں نہ گبر سے بیر کریں — شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ہے جہنم دنیا — وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

ترک شعر عاشقانہ

بلبل کی چمن میں ہمزبانی چھوڑی — بزم شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دل زندہ تو نے ہمکو چھوڑا — ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

پیران زندہ دل

خوش رہتے ہیں دکھ میں کامرانوں کی طرح — ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کی طرح
دل اُنکے ہیں ظرافت اُنکے۔ جو کرتے ہیں بسر — ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

نیکی اور بدی پاس پاس ہیں

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت — ہوں نیکیوں پر اپنی نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود اک بدی ہے گر ہو نہ خلوص — نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دور بہت

امتحان کا وقت

زاہد کہتا تھا جان ہے دین پر قربان — پر آیا جب امتحان کی زد پر ایمان
کی عرض کسی نے کیجیے اب کیا ہے صلاح — فرمایا کہ بھائی جان ہے تو جہان

عشق

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا — یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے۔ پہ اتنی ہے خبر — اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

نیکوں کی جانچ

نیکوں کو نہ ٹھہرائیو بد اے فرزند — اک آدھ ادا اُن کی اگر ہو نہ پسند

کچھ نقص انار کی لطافت مین نہین ہون اسمین اگر گلے سڑے دانے چند

دوستون سے بیجا توقع

تازیست وہ محو نقش موہوم رہے جو طالب دوستان معصوم رہے
اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے صحبت کی وہ برکتون سے محروم رہے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشی پر نہ جوانو مفتون گردن پہ نہ لو عقل خداداد کا خون
خود عہد شباب اک جنون ہے اب تم کرتے ہو فزون جنون پہ اک اور جنون

غرور سب عیبون سے بدتر ہے

ممکن نہین یہ کہ ہو بشر عیب سے دور پر عیب سے بچیے تا بمقدور ضرور
عیبا نپے گھٹاؤ پر خبردار رہو گھٹنے سے کہین اُنکے نہ بڑھ جائے غرور

گفتار و کردار مین اختلاف

جو کرتے ہین کچھ زبان سے کہتے ہین وہ کم ہوتے نہین ساتھ جس کے دم اور قدم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسن گفتار بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار مین ہم

شرط قبول

ممکن ہے کہ جوہری کی نہ ہو قدر کہین پر قدر رکھین بغیر جوہر کے نہین
عنبر کو نہ لین مفت یہ ممکن ہے مگر عنبر کی جگہ نہ لے گا کوئی سرگین

طالب کو سوچ سمجھکر پیر بنانا چاہیے

ہون یا نہون پیر اہل عرفان و یقین پر ڈر ہے کہ طالب نہون نادان کہین
گاہک کو ہے احتیاج چار آنکھون کی اور ایک کی بھی بیچنے والے کو نہین

عالم و جاہل مین کیا فرق ہے

ہین جہل مین سب عالم و جاہل ہمسر آتا نہین فرق اسکے سوا اُنمین نظر

عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا   جاہل کو نہین جہل کی کچھ اپنے خبر

موجودہ ترقی کا انجام

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر   یارون سے کہا پیر مغان نے ہنسکر
باقی نہ رہیگا کوئی انسان مین عیب   ہو جائینگے چھل چھلاکے سب عیب ہنر

مسرت کو کیونکر فراغت حاصل ہو سکتی ہے

اک منعم مسرف نے عابد سے کہا   کر میرے لیے حق سے فراغت کی دعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اُٹھا کر سوئے چرخ   محتاج کر اس کو جلد اے بار خدا

کام کی جلدی

ہان رہنے کی مہلت کوئی کب پاتا ہے   آتا ہو اگر آج۔ تو کل جاتا ہے
جو کرنے ہین کام اُن کو جلدی نپٹاؤ   طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے

غرض

ہے نفس مین انسان کے جبلی یہ مرض   ہر سعی پہ ہوتا ہے طلبگار عوض
جو خاص خدا کے لیے سمجھے کام کیے   دیکھا تو نہان اُنمین بھی تھی کوئی غرض

انقلاب روزگار

بس بس کے ہزارون گھر اُجڑ جاتے ہین   گڑ گڑ کے علم لاکھون اُکھڑ جاتے ہین
آج اس کی ہے نوبت تو کل اسکی باری   بن بن کے یونہین کھیل بگڑ جاتے ہین

تقاضائے سن

حالی کو جو کل افسردہ خاطر پایا   پوچھا باعث تو ہنس کے یہ فرمایا
رکھو نہ اب اگلی صحبتون کی اُمید   وہ وقت گئے اب اور موسم آیا

جسکو زندگانی کا بھروسہ نہین وہ کوئی بڑا کام نہین کرسکتا

دنیائے دنی کو نقش فانی سمجھو   روداد جہان کو اک کہانی سمجھو

پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا — ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو

آثارِ زوال

آبا کو زمین و ملک پہ اطمینان — اولاد کو دستی پہ قناعت کا گمان
بچے آوارہ اور بیکار جوان — ہیں اپنے گھرانے کو کوئی دن کے مہمان

شانِ ادبار

صحرا میں جو پایا ایک چٹیل میدان — برسات میں سبزہ کا نہ تھا جس پہ نشان
مایوس تھے جسکے جوتنے سے دہقان — یاد آئی ہمیں قوم کے ادبار کی شان

نفاق کی علامت

ہر بزم میں آشتی کے لائق ہونا — شیریں سخنی سے شہد فائق ہونا
ممکن نہیں جب تک کہ ہو دل میں نفاق — آسان نہیں مقبول خلائق ہونا

مسلمانوں کی بے مہری

جب تک کہ نہو دشمن اخوان پکا — ہوتا نہیں مومن کا ایمان پکا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے — سنتے ہیں کسی کو جب مسلمان پکا

مکر و ریا

حالی وہ راست جو کہ چلتے ہیں سدا — خطرہ انھیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن ان بھیڑیوں سے واجب ہے حذر — بھیڑوں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما

جوہر قابلیت

ہیں بے ہنروں میں قابلیت کے نشان — پوشیدہ ہیں وحشیوں میں اکثر انسان
عاری ہیں لباس تربیت سے ورنہ — ہیں طوسی و رازی انھیں شکلوں میں نہان

علم

اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال — غائب ہوا تو جہاں سے واں آیا زوال

اُن پر ہوئے غیب کے خزانے مفتوح
جن قوموں نے ٹھہرایا تجھے راس المال

علم

اے علم کلیدِ گنجِ شادی تو ہے
سرچشمۂ نعما و آبادی تو ہے
آسایش دو جہان ہیں سارا تجھ سے
دنیا کا وسیلہ دین کا ہادی تو ہے

ایضاً

ہے تجھ سے نہال جیسی مغرب کی زمین
مشرق کو وہ فیض تجھ سے اے علم نہیں
شاید اے علم ماہِ نخشب کی طرح
رہتی ہیں شعاعیں تری محدود وہیں

خاندانی عزت

بیٹا نکلے جو باعثِ ذلت سے
عزت نہیں اس کو باپ کی حرمت سے
سوچو تو ہے گو نسب عالی
پر اس کو شرافت نہیں کچھ اس نسبت سے

عزت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا مجھ سے ہے عزت کا یہاں
فرمایا ہنر نے میں ہوں عزت کا نشان
عزت بولی غلط ہے دونوں کا بیان
میں بھید ہوں حق کا جو ہے نیکی میں نہان

توقع بیجا

ہیں یار رفیق پر مصیبت میں نہیں
دنیا میں ہیں عزیز لیکن ذلت میں نہیں
اس بات کی انسان سے توقع ہے عبث
جو نوعِ بشر کی خو و جبلت میں نہیں

عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں جسقدر کمی اور بیشی
اتنی ہی مغایرت ہے یہاں اور خویشی
وہ دوست نہیں جس نے کیا فکر مآل
ضدین ہیں دوستی و دور اندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے
ہر قہقہہ پیغامِ بکا ہوتا ہے

جس قوم کو عیش دوست پاتا ہون مین
کہتا ہون کہ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

عیش و عشرت

اے عیش و طرب تونے جہان براج کیا
سلطان کو گدا غنی کو محتاج کیا
ویران کیا تونے نینوا اور بابل
بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا

غیبت

رونق ہے ہر اک بزم کی اب غیبت مین
بدگوئی خلق ہے ہر اک صحبت مین
اور ان کی برائی ہی پہ ہو فخر وہان
خوبی کوئی باقی نہین جس امت مین

عشق

اے عشق کیا تونے گھرانون کو تباہ
پیرون کو خستہ اور جوانون کو تباہ
دیکھا سدا سلامتی مین تیری
قومون کو ذلیل، خاندانون کو تباہ

سبب زوال سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم
سمجھو کہ وہان سے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت
یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم

دین و دنیا کا رشتہ

دنیا کو دیئے دین نے اسرار حکم
دنیا نے کمر دین کی تھامی ہر دم
گر دین کی ممنون بہت ہے دنیا
دنیا کے بھی احسان نہین دین پہ کم

آزادگان راستباز کی تکفیر

یارون مین نہ پایا جب کچھ عیب گناہ
کافر کہا واعظ نے انھین اور گمراہ
[1] جھگڑے کو نہین ملتی شہادت جب ثبوت
لاتا ہے خدا کو اپنے دعوی پہ گواہ

---

[1] یعنی کفر و ضلالت ایسی چیزین ہین جنکا علم خدا کے سوا اور کسیکو نہین ہو سکتا مثلاً شیخ اکبر کو بعضون نے صدیق کہا ہے اور بعضون نے زندیق اور یہ بات کہ وہ فی الواقع صدیق تھے یا زندیق خدا کے سوا اور کوئی نہین جانتا پس جس شخص مین کوئی صریح اخلاقی برائی یا عیب موجود نہو اسکی تکفیر یا تضلیل کرنی ایسی بات ہے جیسے کسی جھگڑے مین کسی مدعی کو شہادت نملے اور وہ اپنے دعوی پر خدا کو گواہ قرار دے ۱۲

بے پروائی و بے غیرتی

اے ابب پہ گر طلسم جہان کا ہے مدار ۔ اُس قوم کا جینا ہے حالی دشوار
عزت کی نہیں ہے جس کو ہرگز پروا ۔ ذلت سے نہیں ہے جس کو ہرگز کچھ عار

عفو باوجود قدرت انتقام

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ اے بار خدا ۔ مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا
ارشاد ہوا بندہ وہ ہے وہ دوست ۔ جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا

سختی کا جواب نرمی سے

فتنہ کو جہان تلک ہو دیجے تسکین ۔ زہر اُسکے گلے کو بھی تو کیجے باتین شیرین
غصہ غصے کو اور بھڑکاتا ہے ۔ اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں

ہمت

تیمور نے اک مورچہ زیر دیوار ۔ دیکھا کہ چڑھا دانہ کو لیکر سو بار
آخر سر بام لیکے پہونچا تو کہا ۔ مشکل نہیں کوئی پیش ہمت دشوار

کم ہمتی

جبر یہ و قدریہ کی بحث و تکرار ۔ دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب پہ مدار
جو کم ہمت تھے ہو گئے وہ مجبور ۔ جو باہمت تھے بن گئے وہ مختار

پشیمانی

انجام ہے جو کفر کی طغیانی کا ۔ ثمرہ ہے وہی غفلت و نادانی کا
لذت سے ندامتون کی جاتا ہے ۔ دوزخ بھی ہے اک نام پشیمانی کا

تاسف بر وفات نواب ضیاء الدین احمد خان مرحوم متخلص بہ نیر دہلوی

قمری ہے نہ طاؤس نہ کبک طناز ۔ آتے ہی خزان کے کر گئے سب پرواز

تھی باغ کی یادگار اِک بلبل زار　　سو اُس کی بھی کل سے نہیں آتی آواز

الیضاً

غالبؔ ہے نہ شیفتہؔ نہ نیّرؔ باقی　　وحشتؔ ہے نہ سالکؔ ہے نہ انورؔ باقی
حالیؔ اب اِسی کو بزمِ یاراں سمجھو　　یاروں کے جو کچھ داغ ہیں دل پر باقی

محنت

محنت ہی کے پھل ہیں یاں ہر اک دامن میں　　محنت ہی کی برکتیں ہیں ہر خرمن میں
موسیٰؑ کو ملی نہ قوم کی چوپانی　　جب تک نہ چرائیں بکریاں مدین میں

گدائی کی ترغیب

اک مرد توانا کو جو سائل پایا　　کی میں نے ملامت اور بہت شرمایا
بولا کہ یہ اُس کا اُن کی گردن پہ وبال　　دے دے کے جنھوں نے مانگنا سکھلایا

تکفیر اہل اسلام

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دیں　　سنتے سنتے یہ ہو گیا ہم کو یقیں
مومن سے ضرور ہو گا مرقد میں سوال　　تکفیر بھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں

ترک عاشقانہ گوئی

کچھ قوم کی ہم سے سوگواری سن لو　　کچھ چشم جہاں میں اپنی خواری سن لو
افسانۂ قیس و کوہکن یاد نہیں　　چاہو تو کتھا ہم سے ہماری سن لو

تنزل اہل اسلام

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے　　اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد　　دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

سلہ یہ اُن شعرائے دہلی کے نام ہیں جن کے ساتھ راقم کو ربط و اختلاط رہا ہے تمام اس سے گزر چکے ہیں
وفات پا چکے ہیں ۱۲ (حالی)

اول کوشش اور بعد دعا

کوشش مین ہے شرط ابتدا انسان سے پھر چاہیے مانگنی مدد یزدان سے
جب تک کہ نہ کام دستِ و بازو سے لیا[۱] پائی نہ نجات نوح نے طوفان سے

کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے جان کے ساتھ کام انسان کیلیے بنتی نہین زندگی مین بے کام کیے
جیتے ہو تو کچھ کیجیے زندون کی طرح مُردون کی طرح جیے تو کیا خاک جیے

جھُوٹی نمایش

ہین جھُوٹ کے پیچ مین سب آنے والے بننے والون سے کم ہین ہونے والے
گھڑیان رہتی ہین جنکی جیبون مین مدام اکثر ہین وہی وقت کے کھونے والے

چند عیب بہت سی خوبیون کو نہین مٹا سکتے

موجود ہنر ہون ذات مین جس کی ہزار ہو ظن نہ عیب اسمین اگر ہون دو چار
طاؤس کے پائے زشت پر کرکے نظر کر حُسن و جمال کا نہ اُس کے انکار

سکوت درویش جاہل

مصروف جو یون وظیفہ خوانی مین ہین آپ خیر اپنی سمجھتے بے زبانی مین ہین آپ
بولین کچھ مُنھ سے یا نہ بولین حضرت معلوم ہے ہمکو جتنے پانی مین ہین آپ

ملحدون کا طعن مسلمانون پر

کہتا تھا کل اک منکر قرآن و خبر کیا لین گے یہ اہل قبلہ باہم لڑ کر
کچھ دم ہے تو میدان مین آئین ورنہ کتا بھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر

[۱] یعنے جب تک کہ کشتی نہ بنائی ۱۲

دہری کا الزام گورپرست پر

اک گورپرست نے یہ دہری سے کہا / ہوگا نہ شقی کوئی جہان میں تجھ سا
دہری نے کہا کہ کیا خدا کا منکر / اُس سے بھی گیا گزرا جسکے لاکھوں ہوں خدا

دانا کا حال نادانوں میں

کیا فرق ہو سماعت نہ ہو جب کانوں میں / دانائی کی باتوں میں اور افسانوں میں
غربت میں ہے اجنبی مسافر جسطرح / دانا کا یہی حال ہے نادانوں میں

رفارمر کی حد

دھونے کی ہے اے رفارمر جا باقی / کپڑے پہ ہے جب تلک کہ دھبا باقی
دھو شوق سے دھبے کو پہ اتنا نہ رگڑ / دھبا رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

اپنی تعریف سن کر ناک چڑھانا

تعریف پہ کھل جاتے ہیں نادان فی الفور / داناؤں کے لیکن نہیں ہرگز یہ طور
ہوتے ہیں اُداس وہ مدح سن کر اکثر / مقصود یہ ہے کہ ہو ستایش کچھ اور

حسن ظن اصل حال نہیں کھلنے دیتا

صوفی کو کسی نے آزمایا ہی نہیں / نیکی میں شک اسکی کوئی لایا ہی نہیں
ہو سکتا ہے اُس میں بھی شاید کچھ کھوٹ / پر اُسکو کسی نے یاں تپایا ہی نہیں

دینداروں کی بُرائیاں دین کو عیب لگاتی ہیں

پاتے ہیں زبوں جو حال اہل اسلام / اسلام پہ طعنہ زن ہیں اقوام تمام
بدپرہیزی سے بگڑے اپنے بیمار / اور مفت میں ہوگیا مسیحا بدنام

فکر عقبیٰ

منزل ہے بعید باندھ لو زاد سفر / موج ہے بپھر رکھو کشتی کی خبر

گاہک چو کس ہے بیچلو یال کھرا ہلکا کرو بوجھ ہے کٹھن راہگذر

انسان کی حقیقت

ممکن ہے کہ ہو جاے فرشتہ انسان ممکن ہے بدی کا نہ رہے اسمین نشان
ممکن تو ہے سب کچھ یہ حقیقت یہ ہے انسان ہے ابتک وہی قرن الشیطان

سلاطین کا عشق

ہرچند بُرا ہے عشق کا سب کے مآل پر حق مین ہے شاہون کے خصوصاً اقبال
سلطان ہے اگر ظل الٰہی، تو عشق ہے ظل الٰہی کے لیے وقت زوال

وقت کی مساعدت

اے وقت بگاڑ کا ہے سب کے چارہ پر تجھ سے بگڑنے کا نہین ہے یارا
ہو جاے گر ایک تو ہمارا ساتھی پھر غم نہین پھر جاے زمانہ سارا

بڑھاپے مین موت کے لیے تیار رہنا چاہیے

کی طاعت نفس مین بہت عمر بسر انجام کی رکھی نہ جوانی مین خبر
کیفیت شب اُٹھا چکو اب حالی مجلس کرو برخاست ہوا وقت سحر

دولت مین ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہے

ڈر ہے کہ پڑے نہ ہاتھ دل سے دھونا زردار ذرا سوچ سمجھکر ہونا
جسطرح کہ سونے کی کسوٹی ہے محک ہے جوہر انسان کی کسوٹی سونا

حد سے زیادہ غصہ قابل عفو ہے

غصہ پہ کسی کے غصہ آتا ہے ہمین جبتک کہ رہے وہ عقل و دانش کے قرین
آپے سے جب اپنے ہو گیا تو باہر پھر کس سے ہون آزردہ کہ تو تو ہی نہین

سفہا کی مدح و ذم

کرتے ہین سفیہ اگر مذمت تیری کر شکر کہ ثابت ہوئی عصمت تیری

پر مدح کریں وہ گر نصیب اعدا
رکھ یاد کہ اچھی نہیں حالت تیری

مرض پیری لاعلاج ہے

اب ضعف کے پنجہ سے نکلنا معلوم
پیری کا جوانی سے بدلنا معلوم
کھوئی ہے وہ چیز جس کا پانا ہے محال
آتا ہے وہ وقت جس کا ٹلنا معلوم

اسراف

مسرف نہ بس اپنے حق میں کانٹے بوئیں
نعمت نہ خدا کی رائگاں یوں کھوئیں
گر بخل پہ لوگ اُن کے ہنسیں بہتر ہے
اس سے کہ فضولیوں پہ اُن کی روئیں

ردّ سوال

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے نہ صواب
زیبا نہیں سائل پہ مگر قہر و عتاب
بدتر ہے ہزار بار اے دوں ہمت
سائل کے سوال سے ترا تلخ جواب

کھانا بغیر بھوک کے مزا نہیں دیتا

کھانے تو بہت میسّر آئے ہیں ہمیں
جو دیکھ کے، چکھ کے، دل سے بھائے ہیں ہمیں
پر سب سے لذیذ تھے وہ کھانے اے بھوک
جو تو نے کبھی کبھی کھلائے ہیں ہمیں

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

چھوڑو کہیں جلد مال و دولت کا خیال
مہمان کوئی دن کے ہیں دولت ہو کہ مال
سرمایہ کرو وہ جمع جس کو نہ کبھی
اندیشۂ فوت ہو نہ ہو خوف زوال

اچھوں کو برا سننے میں بھی مزا آتا ہے

رکھتے نہیں وہ مدح و ثنا کی پروا
جو کر کے بھلا خلق سے سنتے ہیں برا
ان گالیوں کا ہے جنکو چسکا حالی
آتا نہیں اُن کو کچھ دعاؤں میں مزا

شکریہ سلہ کلام راقم

جوش خم بادہ جام خالی مین ہوا   پھر ولولہ پیدا دل حالی مین ہوا
تسلیم نے دی کچھ اسطرح داد سخن   مجکو بھی شک اپنی بے کمالی مین ہوا

احسان بے منت

احسان کیے ہے گر صلہ کی خواہش تمکو   تو اس سے یہ بہتر ہے کہ احسان نکرو
کرتے ہو اگر احسان تو کر دو اُسے عام   اتنا کہ جہان مین کوئی ممنون نہو

قانون بد اخلاقی سے مانع نہین ہوتے

قانون ہین بشیتر یقیناً بیکار   حاشا کہ ہو اُن پہ نظم عالم کا مدار
جو نیک ہین اُنکو نہین حاجت اُنکی   اور بد نہین بنتے نیک اُن سے زنہار

مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہین

حق بول کے اہل شر سے اڑنا کہ نہین   بھڑکے گی مدافعت سے اور آتش کین
گر چاہتے ہو کہ چپ رہین اہل خلاف   جز ترک جواب کوئی تدبیر نہین

ٹیکس

واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہین ٹل   اک وقت سے اپنے تو نہین ٹلتی اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اُٹھکر کہ حضور   ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل

انسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

جیسا نظر آتا ہون نہ ایسا ہون مین   اور جیسا سمجھتا ہون نہ ویسا ہون مین
اپنے سے بھی عیب ہون چھپاتا اپنے   بس مجکو ہی معلوم ہے جیسا ہون مین

سلہ مولوی سلیم الدین مرحوم نارنولی مقیم جے پور متخلص تسلیم نے چند قطعے اُردو فارسی کے راقم کے کلام کی ستایش مین اسوقت بھیجے تھے جبکہ مدت سے فکر شعر کا اتفاق نہین ہوا تھا۔ اُن قطعون کے جواب مین یہ رباعی لکھی گئی تھی ۱۲

بڑھاپے مین عاشقی کا دم بھرنا

آہین پیری مین شیخ بھرتے نہین یون　　دل دیتے ہین پر جی سے گذرتے نہین یون
تھے تم تو ہر اک قید سے آزاد سدا　　جو جیتے ہین اس طرح وہ مرتے نہین یون

واعظون کی سخت کلامی

اک گبر نے پوچھے جو اصول اسلام　　واعظ نے درشتی سے کیا اُس سے کلام
بولا کہ حضور مقتدا ہون جس کے　　ایسی ملّت اور ایسے مذہب کو سلام

نواب وقار الامرا اقبال الدولہ بہادر کی شان مین[1]

توفیق نے اُس کی چھوڑ دی ہمراہی　　اقبال پہ جس نے فتحیابی پائی
حالی لے جائے کون بازی ان سے　　ہے جن کی رگون مین خون آصفجاہی

[1] یہ رباعی فصلی ۱۳۰۲ مین جبکہ راقم حیدرآباد مین مقیم تھا اور نواب وقار الملک بمبئی سے پولو مین بازی جیت کر آئے تھے۔ لکھی تھی مگر اُنکی خدمت مین بھیجی نہین گئی خون آصف جاہی مین اس بات کا اشارہ ہی کہ حضور سے قرابت قریبہ رکھتے ہین اور اقبال کے لفظ مین اُنکے خطاب کی طرف اشارہ ہی ۱۲

رباعیات قدیم

ہو عیب کی خو یا کہ ہنر کی عادت — مشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت
چھٹتے ہی چھٹے گا اُس گلی مین جانا — عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

مرنے پہ مرے وہ روز شب روئینگے — جب یاد کرینگے مجھے تب روئینگے
الفت پہ وفا پہ جان نثاری پہ مری — آگے نہیں پڑتے تھے تو اب روئینگے

فرقت مین بشر کی رات کیونکر گذرے — اک خستہ جگر کی رات کیونکر گذرے
گذری نہ جس بغیر یان ایک گھڑی — یہ چار پہر کی رات کیونکر گذرے

یاد اُسکی یہان ورد مدام اپنا ہے — خالی نہ کبھی وہ جام اپنا ہے
کسطرح نہ سمجھیے کہ ہے نام اُس کا — کسطرح نہ سمجھیے کہ کام اپنا ہے

کیا پاس تھا قول حق کا اللہ اللہ — تنہا تھے پہ اعدا سے یہ فرماتے تھے شاہ
مین اور اطاعت یزید گمراہ!!! — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

حُر کہتا تھا اے دل شہ ذیجاہ سے مل — گمرہ نہو رہبر حق آگاہ سے مل
سرگشتگی کوے ضلالت کب تک — اللہ سے ملنا ہے تو چل شاہ سے مل

گر کفر مین فرعون کا ثانی نکلا — اک شام مین بیداد کا بانی نکلا
سمجھا تھا نہ تھاہ بحر غفلت کی یزید — وان نیل سے بھی زیادہ پانی نکلا

قصیدے، ترکیب بند، مسدس اور چند قطعے
مختلف مضامین پر بہ ترتیب اوقات تحریر

۱۔ قصیدۂ نعتیہ[۱]

سجے ہیں مدحتِ سلطانِ دو جہاں کے لیے — سخن زباں کے لیے اور زباں دہاں کے لیے
وہ شاہ جس کا عدو جیتے جی جہنم میں — عداوت اس کی عذابِ الیم جاں کے لیے
وہ شاہ جسکا محب اس و عافیت میں مدام — محبت اسکی حصارِ حصینِ اماں کے لیے
وہ چاند جس سے ہوئی ظلمتِ جہاں معدوم — رہا نہ تفرقہ روز و شبِ زماں کے لیے
وہ پھول جس سے ہوئی سعیِ باغباں مشکور — رہی نہ آمد و رفتِ چمن خزاں کے لیے
ہلال مکہ کا اور دختہ یثرب کا — فروغ قوم کے اور شمع دودماں کے لیے
گھر اس کا موردِ قرآن و مہبطِ جبریل — در اس کا کعبۂ مقصود انس و جاں کے لیے
سپہر گرمِ طواف اس کی بارگاہ کے گرد — زمیں سر بسجود اسکے آستاں کے لیے
وہ لحظہ لحظہ تفقد وہ دمبدم الطاف — رضائے خاطرِ یارانِ جانفشاں کے لیے
وہ گوشہ گوشہ مدارا وہ بات بات میں مہر — کشایشِ گرہِ کینِ دشمناں کے لیے
گہ افتخار مقابل میں اہلِ نخوت کے — گہ انکسار مداراتِ میہماں کے لیے
کہیں ہلاک میں تاخیر قومِ سرکش کے — کہیں نماز میں تعجیل ناتواں کے لیے

۱؎ یہ قصیدہ ۱۲۸۰ھ کا لکھا ہوا ہے اس سے پہلے نعت میں کبھی کچھ نہیں لکھا گیا۔ اسکو اپنی قدیم شاعری کا نمونہ سمجھ کر بدستور سابق رہنے دیا ہے کہیں کچھ تصرف نہیں کیا گیا ۱۲

صفاے قلب حسودان کینہ خواہ کے ساتھ
دعاے خیر بد اندیش و بدگمان کے لیے

کہین مقدمۃ الجیش انبیا و رسل
کہین وہ خاتمۃ الباب داستان کے لیے

مدینہ مرجع و ماواے اہل مکہ ہوا
مکین سے رتبہ یہ حاصل ہوا مکان کے لیے

اسی شرف کے طلبگار تھے کلیم و مسیح
نوید است پیغمبر زمان کے لیے

بس اب نہ غول کا کھٹکا نہ راہزن کا خطر
ہوا وہ قافلہ سالار کاروان کے لیے

شفیع خلق سراسر خدا کی رحمت ہے
بشارت است عاصی و ناتوان کے لیے

شفاعت نبوی ہے وہ برق عصیان سوز
کہ حکم خس ہے جہان کفر و جہان کے لیے

خدا کی ذات کریم اور نبی کا خلق عظیم
گنہ کرین تو کرین رخصت انس و جان کے لیے

اُسی کا دین ہے کہ ہے گلشن ہمیشہ بہار
وگرنہ ہر گل و گلزار ہے خزان کے لیے

عبور بحر عصیان سے کس طرح ہو اگر
وہ ناخدا نہو اس بحر بیکران کے لیے

مریض حرص و ہوا پائے کب شفا جبتک
وہ چارہ گر نہو اس درد جانستان کے لیے

نہ حرف و صوت مین وسعت نہ کام و لب مین سکت
حقیقت شب معراج کے بیان کے لیے

ارادہ عرش تک اک آن مین پہونچنے کا
کیا تھا عزم اُولوالعزم نے کہان کے لیے

کرم کا دیکھیے دامن کہان تلک ہو فراخ
ہو میزبان خدا جب کہ میہمان کے لیے

زمین پہ ٹھہرا ہے ماوای شاہ عرش نشین
رہی نہ اب کوئی فوقیت آسمان کے لیے

اِسی سے ہوتا ہے ظاہر عیار استعداد
محک ہے حُب نبی دلکے امتحان کے لیے

اگر نصیب ہو یثرب مین جا کے شربت مرگ
پیون نہ آب بقا عمر جاودان کے لیے

اگر بقیع مین گز بھر زمین میسر آئے
کرون نہ طول امل روضۂ جنان کے لیے

سمایا اس کا جو نقش قدم تصور مین
ہجوم شوق مین بوسے کہان کہان کے لیے

حریف نعت پیمبر نہین سخن حالی
کہان سے لائیے اعجاز اس بیان کے لیے

نبی کا نام ہو ورد زبان رہے جب تک
سخن زبان کیلیے اور زبان دہان کے لیے

۲ - ترکیب بند مرثیہ ۱۲۸۵ھ ہجری

مرثیہ جناب مرزا اسد اللہ خان مرحوم دہلوی متخلص غالب

کیا کہوں حالِ دردِ پنہانی　　وقت کوتاہ و قصہ طولانی
عیشِ دنیا سے ہوگیا دل سرد　　دیکھ کر رنگِ عالمِ فانی
کچھ نہیں جز طلسمِ خواب و خیال　　گوشۂ فقر و بزمِ سلطانی
ہے سراسر فریبِ وہم و گمان　　تاجِ فغفور و تختِ خاقانی
بے حقیقت ہے شکلِ موجِ سراب　　جامِ جمشید و راحِ ریحانی
لفظِ مہمل ہے نطقِ اعرابی　　حرفِ باطل ہے عقلِ یونانی
ایک دھوکا ہے لحنِ داؤدی　　اک تماشا ہے حسنِ کنعانی
نہ کروں تشنگی میں تر لبِ خشک　　چشمۂ خضر کا ہو گر پانی
لوں نہ اک مشتِ خاک کے بدلے　　گر ملے خاتمِ سلیمانی

بحرِ ہستی بجز سراب نہیں
چشمۂ زندگی میں آب نہیں

جس سے دنیا نے آشنائی کی　　اُس سے آخر کو کج ادائی کی
تجھ سے چھوٹے کوئی عبث اے عمر　　تو نے کی جس سے بیوفائی کی
ہے زمانہ وفا سے بیگانہ　　ہاں قسم مجھ کو آشنائی کی
یہ وہ بے مہر ہے کہ ہے اسکی　　صلح میں چاشنی لڑائی کی
ہے یہاں حفظِ وصل سے محروم　　جسکو طاقت نہو جدائی کی
ہے یہاں حفظِ وضع سے مایوس　　جسکو عادت نہو گدائی کی

خندۂ گل سے بے بقا تر ہے　　شان ہو جس میں دلربائی کی
جنس کا سب سے ناروا تر ہے　　خوبیاں جسمیں ہوں خدائی کی
بات بگڑی رہی سہی افسوس　　آج خاقانی و سنائی کی

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

بلبل ہند مر گیا ہیہات　　جسکی تھی بات بات میں اک بات
نکتہ دان نکتہ سنج نکتہ شناس　　پاک دل پاک ذات پاک صفات
شیخ اور بذلہ سنج شوخ مزاج　　رند اور مرجع کرام و ثقات
لاکھ مضمون اور اسکا ایک ٹھول　　سو تکلف اور اسکی سیدھی بات
دل میں چبھتا تھا وہ اگر تھا بول　　دلکو کہتا تھا دن اور رات کو رات
ہو گیا نقش دل پہ جو لکھا　　قلم اس کا تھا اور اس کی دوات
تھیں تو دلی میں اسکی باتیں تھیں　　لیچلیں اب وطن کو کیا سوغات
اسکے مرنے سے مر گئی دلی　　خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات
یاں اگر بزم تھی تو اس کی بزم　　یاں اگر ذات تھی تو اسکی ذات
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا　　شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا
دل کو باتیں جب اسکی یاد آئیں　　کسکی باتوں سے دل کو بہلائیں
کسکو جا کر سنائیں شعر و غزل　　کس سے داد سخنوری پائیں
مرثیہ اس کا لکھتے ہیں احباب　　کس سے اصلاح لیں کدھر جائیں
پست مضمون ہے نوحۂ استاد　　کس طرح آسمان پہ پہونچائیں
لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہیں　　اہل میت جنازہ ٹھہرائیں
لائیں گے پھر کہاں سے غالب کو　　سوے مدفن ابھی نہ لے جائیں

اسکو اگلوں پہ کیوں نہ دیں ترجیح / اہل انصاف غور فرمائیں
قدسی و صائب و اسیر و کلیم / لوگ جو چاہیں اُن کو ٹھہرائیں
ہمنے سب کا کلام دیکھا ہے / ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں

غالب نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت

نثر حسن و جمال کی صورت / نظم غنج و دلال کی صورت
تہنیت اک نشاط کی تصویر / تعزیت اک ملال کی صورت
قال اُس کا وہ آئنہ جس میں / نظر آتی تھی حال کی صورت
اس کی توجیہ سے بگڑتی تھی / شکل امکان محال کی صورت
اس کی تاویل سے بدلتی تھی / رنگ ہجران وصال کی صورت
لطف آغاز سے دکھاتا تھا / سخن اُس کا مآل کی صورت
چشم دوراں سے آج چھپتی ہے / انوری و کمال کی صورت
لوح امکان سے آج مٹتی ہے / علم و فضل و کمال کی صورت
دیکھ لو آج پھر نہ دیکھوگے / غالب بیمثال کی صورت

اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ
کہیں ڈھونڈے نہ پائینگے یہ لوگ

شہر میں جو ہے سوگوار ہے آج / اپنا بیگانہ اشکبار ہے آج
نازش خلق کا محل نہ رہا / رحلت فخر روزگار ہے آج
تھا زمانے میں ایک رنگین طبع / رخصت موسم بہار ہے آج
بار احباب جو اٹھاتا تھا / دوش احباب پر سوار ہے آج
تھی ہر اک بات نشتر جس کی / اسکی چپ سے جگر فگار ہے آج

دل میں مدت سے تھی خلش جسکی — وہی برچھی جگر کے پار ہے آج
دل مضطر کو کون دے تسکین — ماتم یار غمگسار ہے آج
تلخی غم کہی نہیں جاتی — جان شیرین بھی ناگوار ہے آج
کس کو لاتے ہیں بہر دفن کہ قبر — ہمہ تن چشم انتظار ہے آج

غم سے بھرتا نہیں دل ناشاد
کس سے خالی ہوا جہان آباد

نقد معنی کا گنجدان نہ رہا — خوان مضمون کا میزبان نہ رہا
ساتھ اُس کے گئی بہار سخن — اب کچھ اندیشہ خزان نہ رہا
ہوا ایک ایک کاروان سالار — کوئی سالار کاروان نہ رہا
رونق حُسن تھا بیان اس کا — گرم بازار گل رخان نہ رہا
عشق کا نام اس سے روشن تھا — قیس و فرہاد کا نشان نہ رہا
ہو چکیں حسن عشق کی باتیں — گل و بلبل کا ترجمان نہ رہا
اہل ہند اب کرینگے کس پہ ناز — رشک شیراز و اصفہان نہ رہا
زندہ کیونکر رہے گا نام ملوک — بادشاہوں کا مدح خوان نہ رہا
کوئی دیسا نظر نہیں آتا — وہ زمین اور وہ آسمان نہ رہا

اُٹھ گیا تھا جو مایہ دار سخن
کس کو ٹھہرائیں اب مدار سخن

کیا ہے جنہیں وہ مرد کار نہ تھا — اک زمانہ کہ سازگار نہ تھا
شاعری کا کیا حق اس نے ادا — پر کوئی اس کا حق گزار نہ تھا
بے صلہ مدح و شعر بے تحسین — سخن اس کا کسی پہ بار نہ تھا
نذر سائل تھی جان تک لیکن — قطعہ — درخور ہمت اقتدار نہ تھا

ملک و دولت سے بہرہ ور نہوا ۲ قطعہ جان دینے پہ اختیار نہ تھا
خاکساروں سے خاکساری تھی　　سربلندوں سے انکسار نہ تھا
لب پہ احباب سے بھی تھا نہ گلا　　دلمین اعدا سے بھی غبار نہ تھا
بے ریائی تھی زہد کے بدلے　　زہد اُس کا اگر شعار نہ تھا
ایسے پیدا کہان ہین مست خراب　　ہمنے مانا کہ ہوشیار نہ تھا
مظہر شان حسن فطرت تھا
معنی لفظ آدمیت تھا

کچھ نہین فرق باغ و زندان مین　　آج بلبل نہین گلستان مین
شہر سارا بنا ہے بیت حزن　　ایک یوسف نہین جو کنعان مین
ملک یکسر ہوا ہے بے آئین　　اک فلاطون نہین جو یونان مین
ختم تھی اِک زبان پہ شیرینی　　ڈھونڈھتے کیا ہو سیب و رمان مین
حصر تھی اک بیان مین رنگینی　　کیا دھرا ہے عقیق و مرجان مین
لب جادو بیان ہوا خاموش　　گوش گل وا ہے کیون گلستان مین
گوش معنی شنو ہوا بیکار　　مرغ کیون نعرہ زن ہے بستان مین
وہ گیا جس سے بزم روشن تھی　　شمع جلتی ہے کیون شبستان مین
نہ رہا جس سے تھا فروغ نظر　　سُرمہ بنتا ہے کیون صفاہان مین
ماہ کامل مین آگئی ظلمت
آب حیوان پہ چھا گئی ظلمت

ہند مین نام پائیگا اب کون　　سکہ اپنا بٹھائیگا اب کون
ہمنے جانی ہے اس سے قدر سلف　　اُن پہ ایمان لائیگا اب کون
اُس نے سب کو بھلا دیا دل سے　　اسکو دل سے بھلائیگا اب کون

تھی کسی کی نہ جسمیں گنجائش — وہ جگہ دل میں پائیگا اب کون
اس سے ملنے کو یاں ہم آتے تھے — جا کے دلی سے آئیگا اب کون
مر گیا قدردان فہم سخن — شعر ہم کو سنائے گا اب کون
مر گیا تشنۂ مذاق کلام — ہم کو گھر سے بلائے گا اب کون
تھا بساط سخن میں شاطر ایک — ہم کو چالیں بتائے گا اب کون
شعر میں ناتمام ہے حالی — غزل اس کی بنائے گا اب کون
کاننا فیہ من بکیً و عویل — وعتاب مع الزمان طویل

۴۳۔ قصیدۂ نعتیہ[1]

میں بھی ہوں حسن طبع پر مغرور — مجھ سے اٹھیں گے ان کے ناز ضرور
خاک ہوں اور عرش پر ہے دماغ — مجھ سے برتر ہے میری طبع غیور
خاکساری پہ میری کوئی نہ جائے — میرے دل میں بھرا ہوا ہے غرور

[1] اس قصیدہ کی تمہید ۱۸۷۴ء یا ۱۸۷۵ء کے بازیافت میں سے ہے یہ وہ زمانہ ہے کہ دلی میں نامور شعرا کا خاتمہ ہو چکا تھا مومن۔ ذوق۔ آزردہ۔ غالب۔ اور شیفتہ ایک کے بعد ایک رخصت ہو چکے ہیں اور میدان بالکل خالی ہے۔ انھیں دنوں میں سیتارام کے بازار میں ایک مشاعرہ قرار پایا۔ مصرع طرح پر تین غزلیں بڑے دعوے سے لکھیں جن کو دوستوں کی جا بیجا تحسین و آفرین سے دماغ میں خلل آگیا تھا اور جن کی داد کی توقع پر وہ غزلیں لکھی تھیں وہ کسی وجہ سے باوجود اصرار کے مشاعرہ میں نہ آئے۔ جیسا اپنے خریدار کی بے اتفاقی سے شاید ایسی کسادی نہیں ہوتی جیسا کہ شاعر ان لوگوں کی بے التفاتی سے جنکو وہ سچ مچ اپنے شعر کا قدردان سمجھتا ہے اسی خام خیالی کے جوش میں اس قصیدہ کی فخریہ تمہید لکھی گئی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ اگر لوگ ہماری قدر نہیں کرتے تو ہم آپ ہی اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں کیونکہ اس زمانہ کے خیالات کے موافق اس بات کا یقین تھا کہ جس طرح آج کل تجارت کی گرم بازاری اشتہارات کے ذریعہ سے ہوتی ہے اسی طرح شاعری بھی ڈینگ مارنے سے مانی جاتی ہے۔ لیکن جب تفاخر حد سے زیادہ بڑھ گیا تو دفعتاً اپنی غلطی پر تنبہ ہوا۔ لہذا قصیدہ کا خاتمہ نعتیہ اشعار پر کر دیا گیا تاکہ فخر کے لیے ایک وجہ پیدا ہو جائے ۔

نہ گنو اہل عصر مین مجھکو	مین بہت کھینچتا ہون آپ کو دور
چشمۂ آب خضر کی مانند	چشم اہل جہان سے ہون مستور
دل سے داد اپنی لے چکا ہون بہت	مجھکو پروا نہین کہ ہون مشہور
مثل یوسف دکھائے جوہر ذات	جسکو بکنا ہو مفت یان منظور
جیسے شہباز ہو قفس مین اسیر ۱	ہون زمانہ کے ہاتھ سے مجبور
کبک و قمری کو رخصت پرواز ۲	بال و پر مفت صعوہ و عصفور
جو نہ سمجھے مجھے کہ کیا ہون مین	اس سے شکوہ نہین کہ ہے معذور
لذت مے سے جو نہ ہو آگاہ	اس کو کیا قدر خوشۂ انگور
جسکے آنکھین نہ ہون وہ کیا جانے	روز روشن ہے یا شب دیجور
پہلے ہوگی کسی کو قدر ہنر	اٹھ گیا اب جہان سے یہ دستور
درد دل کا بیان کرون کس سے	بات کھونی نہین سنے مجھے منظور
سخن حق کی داد لون کس سے	سن چکا ہون فسانۂ منصور
دل آباد و منبت بے ہنران	ہو چکا خانۂ ہنر معمور
مژدہ خسرو کو وصل شیرین کا	ہو چکی سعی کوہکن مشکور
ہمنے دیکھی تمیز اہل نظر	ہمنے دیکھا مذاق اہل شعور
ہے غرض ان کو صوت موزون سے	نالۂ دل ہو یا نوائے طیور
ہو کسی شے سے ان کی گرمی بزم	داستان ہو وہ یا کہ درس زبور
ہے فقط روشنی سے ان کو کام	موم ہو اصل شمع یا کافور
ہے یہان قائل انا مردود	ہو وہ فرعون وقت یا منصور
آپ اپنے سخن سے ہون محظوظ	دل اصحاب گو نہ ہو مسرور
ہان اگر کام ہے تو شیرین سے	قصر خسرو کے اور ہین مزدور

دل احباب پر نہین چلتا / سحر میرا کہ رہیو غیر سے دور
ہون تماشائے شہر نابینا / ہے برابر مرا خفا و ظہور
در یکتا ہون اور ہون بے آب / ماہ کامل ہون اور ہون بے نور
چشمہ پیدا و کاروان تشنہ / بادہ پُر زور و رود انجمن مخمور
اس زمانے مین ہم غریب ہوتے ہین / جو وطن سے ہو لاکھ منزل دور
صاحب قدر و جاہ ہے جبتک / کارفرما ہے چین مین فغفور
کاش اُس عہد مین مجھے پاتے / تھا سخن جب کہ قبلۂ جمہور
کاش وان دیکھتے مجھے کہ جہان / متنبی تھا ارج کافور
کون سمجھے مجھے کہ ہون کیا چیز / انوری ہے نہ عرفی و شاپور
کون دیکھے مرے چمن کی بہار / مر گیا عندلیب[1] نیشاپور
جس سے ہوتا ہر خستہ سینہ بہوش / ہے زبان میری وہ دم ساطور
جس سے ہوتا ہے کور پروانہ / ہے مری شمع مین وہ لمعۂ نور
شرح نقطہ کی گر کرون تحریر / تنگ ہو عرصۂ نقوش و سطور
ترک عشق بتان کرین عشاق / مجھ سے سُن پائین گر ستایش حور
گر کرون ذکر لذت طاعات / تلخ کر دون مذاق فسق و فجور
چھیڑ دون گر فسانۂ فرہاد / دل خسرو مین ڈالدون ناسور
کرنے جاؤن جو حق سے عذر گناہ / لے کے آؤن نوید عفو قصور
لون ملائک سے داد حسن کلام / گر لکھون نعت سرور جمہور
وہ شہنشاہ اُمتی جس کا / یان گنہگار اور وان مغفور

[1] عندلیب نیشاپور سے مراد نظیری ہے۔ لیکن اگر وہ ہوتا تو اس سے زیادہ اور کیا قدر کرتا جیسا کہ شیخ علی حزین نے سودا کی نسبت کہا تھا کہ در پوچ گویان ہند غنیمت است۔ ۱۲

وہ خداوند۔ خدمتی جس کا — یاں سبکسار اور وہاں ماجور
مژدہ اے امتِ ضعیف کہ یاں — سعی ہوتی ہے بے کیے مشکور
لبِ شیریں کلام سے اسکے — دوست بھی شاد غیر بھی مسرور
اثرِ فیضِ عام سے اس کے — کعبہ آباد و بتکدہ معمور
چرخ کو دے اگر وہ حکمِ سکون — ہو غلط نسخۂ سنین و شہور
صرصرِ قہر گر چلے اس کی — بند ہو مسلکِ صبا و دبور
جس طرف ہو وہ گرمِ نظارہ — جلوہ گر ہو اُدھر سے لمعۂ طور
ہو جہاں لطف سے وہ سایہ فگن — موجزن ہو وہاں سے چشمۂ نور
بات پوچھو تو سوے چرخ نگاہ — سینہ دیکھو تو علم کا گنجور
ہو سکے اس کی خوبیوں کا شمار — نعمتیں حق کی ہوں اگر محصور
اے ترا پایہ فہم سے برتر — اے ترا نام عرش پر مسطور
میں ترے در پہ سن کے آیا ہوں — نام تیرا شفیعِ روزِ نشور
کچھ نہیں زاد راہ پاس اپنے — مگر امیدِ عفوِ ربِ غفور
طبع غالب ہے اور میں مغلوب — نفس قاہر ہے اور میں مقہور
بحرِ غفلت میں ہوں سراسر غرق — نشۂ کبر میں ہوں بالکل چور
چھوڑتی ہی نہیں خودی دامن — ہوں بہت اپنے ہاتھ سے مجبور
مہرِ فرزند و خواہشِ زر و سیم — طمعِ جاہ و فکرِ عیش و سرور
ایک بیمار اور سو آزار — ایک رنجور اور سو ناسور
نفس امارہ اور دیو مرید — یہ ہے افعی تو وہ ہے کلب عقور
مجھ سے جو کام چاہیے لیجے — جھوٹ ہو یا فریب ہو یا زور
حسد و بغض و غیبت و بہتان — بخل و حرص و ہوا و فسق و فجور

ایک جو مجھ سے بن نہیں آتی ہے وہ خدمت کہ جسپہ ہوں مامور

دل لگے بندگی میں کیا امکان لب ہلے ذکرِ حق میں کیا مقدور

مایۂ عقل ہے نہ شورِ جنوں دل بیتاب ہے نہ جانِ صبور

نہ معاصی میں تلخیٔ خجلت نہ عبادت میں چاشنیٔ حضور

فی المثل ہے مری مسلمانی جیسے زنگی کا نام ہو کافور

ہاں مگر کچھ امید بندشی ہے تیرے زمرے میں گر ہوا محشور

جب ترے کارواں میں جا پہونچا پھر رہا اب حشر کتنی دور

دوری آستان والا سے ہے بہت تنگ حالیٔ مہجور

اب دعا یہ ہے اے شفیعِ اُمم بسکہ بیتاب ہے دل رنجور

جا لگے تیرے در پہ کشتیٔ عمر جب کرے وہ بحرِ زندگی سے عبور

جیتے جی دل میں یاد ہو تیری

مرتے دم لب پہ ہو ترا مذکور

۴ قصیدۂ مدحیہ ناتمام [سلہ]

نواب کلب علی خان مرحوم رئیس رامپور کی شان میں

ظلِ حق کلبِ علیخان جسکے بذل و جود کے ہند سے لے تا عرب ہیں خاصی و عامی گواہ

صاحبِ علم و عمل اور تابعِ احکامِ دیں زائرِ قبرِ نبی اور حاجیِ بیت الٰہ

[سلہ] یہ قصیدہ سنہ ۱۲۹۳ھ میں اس وقت لکھا گیا تھا جبکہ نواب ممدوح علی گڑھ کے مدرسۃ العلوم کا پیٹرن ہونا منظور کرچکے تھے اور بارہ سو روپیہ سال کی جاگیر ہمیشہ کے لیے مدرسہ کے اخراجات کے واسطے اور کئی ہزار روپیہ نقد بطور چندہ کے دے چکے تھے مگر مصلحتاً ان کی خدمت میں بھیجا نہیں گیا اور اسی لیے ناتمام رہا اسکے اول و آخر کے کچھ اشعار ضایع بھی ہوگئے ہیں ۱۲

شاعری مین فردِ موسیقی مین فارابیِ عصر　　صوت روح افزا و صورت آیۂ صنعِ خدا
دولتِ برطانیہ پر اُس کی فرزندی کا حق　　دولتِ عثمانیہ کو اس سے پیوندِ ولا
اسکی ہیبت سے لرزتے ہین مقرب اور جلیس　　اور مروت پر ہین نازان مجرم و اہلِ خطا
قطعہ　مرجعِ اربابِ علم و فن ہے اس کا بابِ فیض　　یہ وہ دعوی ہے کہ خود دربار ہے اس کا گوا
۲　گل نہین ہند مین تھے جو درخت باردار　　اُن کو چُن چُن کر یہان لایا چمن بندِ سخا
۳　گر مناظر ہین تو ہین سرِ دفترِ اہلِ کلام　　اور محدث ہین تو ہین سرچشمۂ علم و ہدے
۴　زمرۂ اہلِ یقین یا مجمعِ اہلِ سلوک　　نکتہ چینانِ محبطی خردہ گیرانِ شفا
۵　شاعرِ شیرین نفس یا شاطرِ سنجیدہ رائے　　فیلسوفِ مستدل یا عارفِ علم و ربا
۶　بے بدل ہے الغرض جو رتبہ اس باغ مین　　بلبلِ جادو نوا ہو یا گلِ رنگین ادا
بہرہ ور ہین فیض سے تیرے بلاد و دور دست　　اے خوشا وہ سرزمین جسپر ہو تو فرمان روا
بارِ محصولات سے یان تک ہوئی ہلکی کہ اب　　بارِ منت سے ترے پشت رعیت ہے دوتا
خیر تیری ہے حصارِ عافیت تیرے لیے　　سیر ہو کر تجھ کو دیتے ہین بہت بھوکے دعا
نعمتین حق کی سمٹین گی سمیٹی زینہار　　ہر بھلائی کی ملی وہ جیسند کر تجھکو جزا
خوانِ نعمت پر ہے تیرے میہمانون کا ہجوم　　نام پھر زندہ ہوا خوانِ خلیل اللہ کا
ہے یقین تجھ پر پڑے اصحابِ محشر کی نگاہ　　جب کہین کس نے کیا حقِ میزبانی کا ادا
دولت و اقبال روز افزون ہے تیری ہے عیان　　جو کہ حامی قوم کے ہین اُن کا حامی ہے خدا
پرورش پاتی تھی جنکے سایۂ دولت مین قوم　　لے گئی اُن کو بہا کر موجِ سیلابِ فنا
کچھ گھرانے رہ گئے ہین جو کہ آتے ہین نظر　　ہند مین اب تکیہ گاہِ امتِ خیر الورے
یہ اگر بنتے نہ کشتیبان اس طوفان مین　　کشتیِ اسلام تھی منجدھار مین بے ناخدا
رہ گئی تیری خریداری سے شرمِ اہلِ فضل　　ورنہ اُنکی جنس کا گاہک یہان کوئی نہ تھا
مل گئے تھے گوہرِ درجِ شرافت خاک مین　　خاک سے تو نے اُٹھایا اُن کو اور بخشی جلا

ہو رہے تھے دو دہانِ علم و دولت جاں بلب — تو نے ایک اک کے چوایا حلق میں آبِ بقا
کول میں پودا لگا ہے جو پئے تہذیبِ قوم — آبیاری سے ہی تیری ہی اُسے نشو و نما
ہے یہ وہ احسان جسکے بارِ منت سے کبھی — قوم کی گردن نہ ہلکی ہوگی بے ریب و ریا
تیرے ظلِ تربیت میں گر رہا یہ نونہال — ہے یقیں پھیلیں گی شاخیں اسکی طوبیٰ سے سوا
فرض اگر کیجیے اُسے دیوارِ کاخِ آرزو — تو وہ پشتیباں ہے جس سے اسکی قائم ہو بنا
اور اگر کہیے کہ ہے یہ قوم کی کشتِ مراد — تو ہے اُس پر ابرِ رحمت کی طرح چھایا ہوا

۵۔ قصیدۂ ناتمام مرقومہ ۱۲۹۴ھ

سر سید احمد خان دام بقاؤہم کی شان میں

پنہاں نہیں ہے یارو سب پر کھلا ہوا ہے — جو حال آج اپنا اور اپنی قوم کا ہے
ہے اک لکیر باقی جس پر فقیر ہیں ہم — خود سانپ رہ یاں سے کب کا نکل گیا ہے
اس پر بھی اے عزیزو ہے جائے فخر تم کو — دینوں میں دینِ بیضا حق نے تمہیں دیا ہے
قبلہ ہے وہ تمہارا جو گھر ہے سب سے پہلا — ہادی ہے وہ تمہارا جو ختمِ انبیا ہے
دی ہے وہ مصلحِ کل حق نے کتاب تم کو — جس نے شریعتوں کو شیر و شکر کیا ہے
بخشی تمہیں حکومت حکمت تمہیں عطا کی — دوراں سدا موافق تم سے یونہیں رہا ہے
اس دورِ آخری میں جب یوں بگڑ چلے تم — اک ہاشمی تمہارا مصلح کھڑا کیا ہے
سرسبز چاہتا ہے جو قوم کو جہاں میں — فتووں سے قوم کے گو کافر ٹھہر چکا ہے
وقف اپنا کام اپنا جان اپنی مال اپنا — یاروں پہ جس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے
وار اس پہ قوم کے ہیں وہ قوم کی سپر ہے — قوم اُس سے بدگماں ہے وہ قوم پر فدا ہے

لہ یہ قصیدہ اسوقت لکھنا شروع کیا گیا تھا جبکہ مدرسۃ العلوم کا بنیادی پتھر لارڈ لٹن اپنے ہاتھ سے رکھ چکے تھے اور سرسید کے کام تعجب کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے تھے، مگر بسبب کروہاتِ دنیوی کے پورا نہو سکا ۱۲

ہمدرد قوم ایسا ہمنے سُنا نہ دیکھا — یہ درد اُس کو جدکی میراث مین ملا ہی
تعلیم کی بھاری بنیاد اُسنے ڈالی — ملکون مین جس کا چرچا ہر سمت ہو رہا ہی
بعد از قرون اولی کس نے کیا بتاؤ — سید نے کام آکر جو قوم مین کیا ہی

۶۔ قطعہ مرتبہ سنہ ۱۳۰۳ھ

مرثیہ مین برادر راقم جناب خواجہ امداد حسین مرحوم

کل سوگ مین بھائی کے اُسے دیکھکے چپ چپ — حالی سے کہا ہمنے کہ اے بحر معانی
خاموش کبھی ہمنے تجھے یون نہین دیکھا — کیا ہو گئی وہ تیری طبیعت کی روانی
شادی مین تری تہنیتین ہمنے سنی ہین — ماتم مین بھی دیکھی ہو تری مرثیہ خوانی
ہنستا ہے نہ روتا ہو نہ بڑلہ ہے نہ نوحہ — کچھ کہہ تو سہی دلمین یہ کیا تونے ہو ٹھانی
دُنیا ہو یہ اک دار فنا جس کا اثاثہ — سب خاک سے تا انجم و افلاک ہو فانی
ہو جائے گر انسان یونہین ہر رنج مین خاموش — کس طرح دلون کے ہون عیان راز نہانی
اک آہ بھری سُن کے یہ حالی نے کہ جس سے — دل ہل گئے اور سب کے لہو ہو گئے پانی
فرمایا کہ موجون سے بھنور کے نہین آگاہ — ساحل پہ ہین جو راہ سپر قاصی و دانی
حالی ہی کو معلوم ہو حالی کی حقیقت — مشکل ہے کسی دل کی لگی غیرون کو دکھانی
آئے ہین سدا بھائیون سے بھائی بچھڑتے — موت ایک کے آگے ہے ضرور ایک کے آنی
پر بھائی ہو جس شخص کا حالی کا سا بھائی — غم بھائی کا مرجانے کی ہو اسکے نشانی
جس بھائی نے بیٹون کی طرح بھائی کو پالا — سوکھی ہوئی کھیتی مین دیا باپ کے پانی
جس بھائی کے آغوش مین ہوش اُسنے سنبھالا — جس بھائی کے سایہ مین کٹی اسکی جوانی
شفقت نے دیا جسکی بھلا مہر پدر کو — دی آنے کبھی دل پہ نہ بھائی کے گرانی
جیتا بھی رہا بھائی گر اُس بھائی کے پیچھے — لذت نہین جینے سے نصیب اسکو اُٹھانی

دل مردہ ہو حالی کی طرح جس کا عزیزو　　کیا ڈھونڈھتے ہو اُسکی طبیعت مین روانی
یہ چیپ نہ لگائے کسی دشمن کو بھی اللہ　　یہ چپ نہین مرجانیکی ہو دل کے نشانی
بولین گے بھی سو بار ہنسین گے بھی ہنسائین　　یہ ناؤ ہے ہر طرح ہمین پار لگانی
پر آہ۔ کلی وہ جو ہے مرجھا گئی دل کی　　مشکل ہے وہ ہنس بول کے آپس مین کھلانی
باقی رہیگا داغ سدا بھائی کا دل پر　　ہر چند کہ فانی تھا وہ اور ہم بھی ہین فانی

۷- قطعہ مرتبہ ۱۳۰۵ھ ہجری

بجناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

آسمان جاہ کی خدمت مین ہے حالی کی عرض　　کہ اگر ہو ہر اک رونگٹا ہو جائے زبان
شکر ممکن نہین اس کا کہ مجھے گھر بیٹھے　　اُس نے ممتاز کیا بھیجکے شاہی فرمان
نہ ہوئی مجھسے کوئی خدمت سرکار نظام　　نہ کیا مین نے کبھی طوف در صدر زمان
نہ کوئی مجھ مین ہنر ایسا کہ ہو لایق قدر　　اور نہ ایسا کوئی جوہر جو ہو قیمت مین گران
حق نہ تھا دولت عالی پہ کوئی حالی کا　　جسکے بدلے مین وہ اس لطف کا ہوتا شایان
ہان مگر ذات مین ہے فیض رسانی جن کی　　ڈھونڈھ لیتے ہین کوئی حیلہ برای احسان
ہین بری ہنر و بے ہنری سے جس طرح　　خار و گل دونون کو کرتا ہے نہال آب روان
آسمان جاہ کا اک مین ہی نہین شکر گزار　　ملک مین اُس کا ثنا خوان ہے ہر اک پیر و جوان
یان وہ ان کھیتون کو دیکے گیا ہے پانی　　آنکھ اسلام کی خود جن کی طرف ہے نگران
قوم اس وقت ہے تعلیم کی جتنی محتاج　　ہے وہ عالم پہ ہویدا انہین محتاج بیان
ثروت۔ آسودگی اور ملت و مذہب اُن کا　　ہوئے تعلیم تو ہین سب کوئی دن کے مہمان
پھر نہ قدر اُن کی کچھ آنکھون مین خلایق کی بلند　　اور نہ وزن ان کا ترازو مین حکومت کی گران

آسمان جاہ پہ برکت ہو خدا کی جسنے — درد کا جان لیا اُن کے کہ یہ ہو درمان
مدرسے قوم کے اس مُلک میں جو ہیں ممتاز — جن میں کچھ کچھ نظر آتے ہیں ترقی کے نشان
اُن کی امداد سے نواب نے کی ہے قائم — چشمِ عالم میں مسیحائی پہ اپنی بُرہان
کرتے ہیں زندۂ جاوید بنی نوع کو۔ جو — بذل کرتے ہیں پئے تربیتِ اہلِ زمان
ہے مدارس کی اعانت وہ نکوئی جسکا — ملک پر قوم پہ تا دیر رہے گا احسان
یہی بخشش ہے یہی جود ہے راس الحسنات — جس پہ موقوف ہے بہبودیٔ نسلِ انسان
یہی امداد ہے جس سے ہوئیں قومیں سرسبز — یہی تدبیر ہے جس سے ہوئے ملک آبادان
یہی قوت ہے کہ ہوتے ہیں قوی جس سے ضعیف — یہی حکمت ہے کہ ہوتے ہیں سبک جس سے گران
دی لگا آپ نے پانی کی سرِ راہ سبیل — کی ہمیشہ کے لیے آپ نے واں نہر روان
اسکی خواہش تھی کہ ہوتے رہیں پیاسے سیراب — اُس نے چاہا کہ رہے پیاس کا باقی نہ نشان
برکتیں علم کی جو ملک میں پھیلاتے ہیں — نہر جاری سے ہے ذات انکی سوا فیض رسان
بخت اُس ملک کے جس ملک میں ایسا ہو وزیر — حامیِ علم و ہنر یارِ کمالِ انسان
اب خدا سے یہ دعا ہے کہ جہاں میں جبتک — شکرِ احسان کا کرتے رہیں بعد از احسان
آسمان جاہ سے ہو تقویتِ ملکِ دکن — اور یہی ملکِ دکن انکا رہا دار امان
دولتِ قیصری و دولتِ آصفجاہی — ایک کی ایک زمانہ میں رہے پشتیبان

۸۔ قصیدہ مرتبہ ۱۳۰۶ ہجری

تہنیت عید الفطر بہ جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

مہِ صیام گیا اور روزِ عید آیا — خوشی کا عید کی حق ہر کوئی بجا لایا
کیا خدا کا ادا شکر روزہ داروں نے — کہ اپنے صبر کا انعام ہم نے بھر پایا

رہین منت ساقی ہین بادہ خوار تمام ۔ کہ تیس روز کے پیاسون کا روزہ کھلوایا
گئے ہین ایسے مساجد سے معتکف خوش خوش ۔ کہ جیسے طفل ہو مکتب سے چھوٹ کر آیا
شگفتہ آتے ہین اس طرح عیدگاہ سے لوگ ۔ کہ گنج اُنھون نے ہے گویا خرابہ مین پایا
حسین چاؤ مین پھولے نہین سماتے آج ۔ کہ دن خدا نے نمایش کا اُن کو دکھلایا
عزیز و دوست گلے ملتے پھرتے ہین باہم ۔ خدا نے سیکڑون روٹھون کو آج منوایا
حکیم ہین متفکر نہ زاہد افسردہ ۔ خوشی نے دی ہے زمانہ کی کچھ پلیٹ کایا
غنی ہین شال مین مست اور گدا ہین کھال مین مست ۔ ہے ایک خوان سے منعم نے سب کو چھکوایا
اُدھر ہے فصل بہار اور ادھر ہے عید الفطر ۔ سمان نشاط کا ہے شہر و دشت پر چھایا
کھلے ہین اُسکے عوض دشت مین کڑوڑون پھول ۔ جو غم سے شہر مین آج ایک دل ہے کملایا
ہزارون سرو خرامان ہین شہر مین ہر سو ۔ جو دشت مین کوئی پودا ہے آج مرجھایا
اگر خوشی کا زمانہ کی ہے یہی عالم ۔ تو سمجھو غم کا عوض عمر دون نے بھر پایا
مگر یہ عاریتی انبساط ہے سب ہیچ ۔ اس انبساط پہ غافل ہے جو کہ اترایا
فریفتہ ہوے جو ایسی خوشیون پر ۔ اُنھون نے آب کا دھوکا سراب پر کھایا
خوشی ہے جس سے عبارت وہ ہے خوشی انکی ۔ جنھون نے خلق مین ذکر جمیل پھیلایا
جنھون نے دین کے گرتے ستون کو تھاما ۔ جنھون نے علم کا بجھتا چراغ اُکسایا
جنھون نے ملک کے امراض کو کیا تشخیص ۔ جنھون نے قوم کے افسردہ دل کو گرمایا
جنھون نے خلق سے اپنا بنایا غیرون کو ۔ جنھون نے لطف سے وحشی دلون کو پرچایا
خبر یتیمون کی لی جاہلون کو دی تعلیم ۔ کھلایا بھوکون کو بے پوششون کو پہنایا
ہوا زمین پہ جس سال آسمان ممسک ۔ مینہ اپنی داد و دہش کا اُنھون نے برسایا
ہوائے دہر اگر ہو گئی کبھی فاسد ۔ فضائے دہر کو خلق حسن سے مہکایا
سدا غریبون کی امداد پر ہین جو تیار ۔ لیا سنبھال اُسے جس نے ہاتھ پکڑایا

ہمیشہ مانگنے والوں کو بے دریغ دیا　نہ مانگ سکتے تھے جو اُن کے گھر پہ پہنچایا
نہ سمجھا آپ کو اک پاسبان سے بڑھکر　اُنھوں نے لطف حکومت اسی میں کچھ پایا
نہ پائی کھانے میں لذت نہ چین سے سوئے　ستم رسیدہ کا جب تک کہ حق نہ دلوایا
وغا میں شیر مگر وقت رحم موم صفت　کسی کی آہ سُنی اور دل اُن کا بھر آیا
وہ سمجھے یہ کہ کوئی قافلہ ہوا تاراج　جو شاہ راہ میں پتّا کسی نے کھڑکایا
وہ چونک اُٹھے کہ گویا قیامت آپہنچی　جو در پہ آکے کوئی دادخواہ چلّایا
نشاط و عشرت جاوید کی ہو اُن کو نوید　دل ایسا جن کو عنایت خدا نے فرمایا
سنا تھا کان سے جو ذکر خیر عہد سلف　سو آنکھ سے وہ وزیر دکن نے دکھلایا
بشیر دولت و دین صدر اعظم امرا　نہیں ہے جسکا کوئی قرب شہ میں ہمپایا
جو ظل حق ہو رعیت کے سر پہ شاہ دکن　تو اعظم الامرا ظل حق کا ہے سایا
ہمیشہ جسکو ہے بہبود ملک مد نظر　رفاہ و امن ممالک میں جسنے پھیلایا
اُٹھایا فتنہ نے جب سر فرو کیا اُس کو　پڑا عمل میں جہاں عقدہ اسکو سُلجھایا
بنائے نظم و نسق جس نے رکھی شوریٰ پہ　مشیر کار خرد پروروں کو ٹھہرایا
دکن کو جس نے کیا مرجع خواص و عوام　دکن کا جس نے کہ ڈنکا جہان میں بجوایا
نہ کوئی ملک میں سرکش رہا نہ نافرمان　جفا و ظلم کو توڑا غرور کو ڈھایا
بل انتظام کے رشتہ میں پڑ رہے تھے بہت　سو تکلے کی طرح ایک ایک بل نکلوایا
لگا گئے تھے وزیران رفتہ جو پودا　وہ صاحبی میں وزیر زمان کی پھل لایا
ترقی اب یہ تمدن میں کی ہے بلدہ نے　کہ اپنی حالت پیشین سے خود ہے شرمایا
زبان حال سے ماضی کو دیجے کیا نسبت　اندھیری چھائی ہوئی تھی کہ دن نکل آیا
خدا دراز کرے عمر اعظم الامرا　دکن کو جسکی حکومت نے دن یہ دکھلایا
زمین پہ سایہ فگن جب تک آسمان رہے　رہے دکن پہ حضور نظام کا سایا

تھی کوئی چیز نہ حالی کے پاس لائق نذر — سو یہ چگاسہ ناچیز پیشکش لایا
یہی بس اسکے لیے ہوگا مایۂ نازش — جو اعظم الامرا نے قبول فرمایا

۹ قطعہ مرتبہ سنہ ۱۳۰۱ھ

تہنیت ولادت فرزند ارجمند شبستان اقبال جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

فیض رب ذوالمنن سے ثمرہ ملا اہل دکن — نائب دولت کا نخل آرزو لایا ثمر
دی بشیر دولت و دین کو وہ خبر اللہ نے — جس سے پایا دیدۂ یعقوب نے نور بصر
جسکو پیری کا عصا سمجھا خلیل اللہ نے — حق نے دی جسکے عطا ہونیکی سارا کو خبر
جسکے ملنے سے ہوا داؤد ممنون قضا — جسکے پانے سے ہوا ایوب مرہون قدر
جسکے بدلے ہین علی الرغم شماتت پیشگان — حق سے ختم الانبیا نے پائی شبیر و شبر
جو بضاعت ہے گدا کی اور دولت شاہ کی — جو ہے حاصل عمر کا اور زندگانی کا ثمر
جس سے مستغنی ولی ہین اور نہ عارف بے نیاز — جس سے ہین اجداد زندہ اور اماجد نامور
صدر اعظم کو دیا صد شکر خالق نے خلف — خلق کی آخر دعاؤن کا ہوا ظاہر اثر
یہ پسر یارب بحق عترت خیر الورے — پاے عمر خضر زیر سایۂ مہر پدر
صدر اعظم کی طرح دربار آصفجاہ مین — جایگاہ قرب سلطانی ہو اس کا مستقر
دولت و ثروت کو اسکی ذات سے لگ جائے شان — زیور علم و ادب سے ہو مجلی اس قدر
سیرت و عادت مین اسکی نکلے آن اجداد کی — جوہر اخلاق فاروقی[1] ہون اسمین جلوہ گر
ملک آصف جاہ مین سر آسمان جاہ اور وہ — رات دن رکھین اجالا صورت شمس و قمر

[1] اس مین یہ اشارہ ہے کہ نواب سر آسمان جاہ بہادر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد مین ہین ۱۲

۱۰ قصیدہ مرتبہ ۱۳۰۹ھ

اے صفر کی دوسری۔ روز دو شنبہ مرحبا
ہم نہ بھولینگے کبھی وہ تیری صبح جانفزا

ہمنے رکھا آکے جب بلدہ کی سرحد مین قدم
پھر گیا آنکھون کے آگے اپنی اک عالم نیا

عزت قومی کو ترستی تھین سدا آنکھین جسے
اسکے کچھ آثار دیکھے ہمنے یان بشکر خدا

کھوج مین جس فخر کے پھرتے تھے اک مدت سے ہم
آکے بلدہ کے سوانہ مین لگا اُس کا پتا

بھیک کو نکلے تھے گھر سے کچھ بھکاری قوم کے
جھولیان ڈالے گلے مین دربدر دیتے صدا

پہونچ لینے اُن کو وہ اعیان دار الملک سے
دولت عالی کو جن کی ذات پر ہے اتکا

قوم کو ہے جن پہ فخر اور ملک کو ہے جن پہ ناز
سلطنت کے جو ہین اعضا اور وزارت کے قوے

صدر اعظم (یعنے مدار المہام ۱۲) نے ہمین بخشا اقامت کے لیے
وہ سرا بستان تجمل ہو جس سے تنگ جنت کی فضا

ہم غریبون کو سمجھکر اک سفارت قوم کی
دی وہ عزت شکر جسکا ہو نہین سکتا ادا

پیشتر مہمان نوازی کا فقط سنتے تھے نام
آکے یان سمجھے کہ ہے مہمان نوازی چیز کیا

کی ہے نواب اقتدار الملک نے جو مرحمت
اُس نے کلفت کو سفر کے دل سے بالکل دھو دیا

یہ مقولہ ہند مین مدت سے ہے ضرب المثل
جو کہ جا پہونچا دکن مین بس وہین کا ہو رہا

ہے دکن کی وہ ہی شاید مسافر پروری
جو دکن مین آکے دیتی ہے وطن دل سے بھلا

وارث ملک دکن ہے آج وہ محبوب خلق
نام پر دیتا ہے جس کے جان ہر چھوٹا بڑا

ہم کہ ہین وکٹوریا کے مہد امن مین پلے
امن و آزادی کی ہمنے کھائی ہے سون ہوا

---

۱ یہ قصیدہ ماہ ستمبر ۱۸۹۱ء مطابق صفر ۱۳۰۹ھ مین بمقام حیدرآباد دکن جبکہ ڈاکٹر سر سید احمد خان بہادر مع اکثر رفقا کے جنمین سے ایک راقم بھی تھا بطور ڈیپوٹیشن کے محمڈن کالج علی گڈھ کی طرف سے حضور سرکار نظام مین حاضر ہوئے تھے ایک جلسہ عام مین پڑھا گیا تھا جسکے صدر انجمن جناب نواب وقار الامرا بہادر تھے ۱۲ حالی

جانتے ہیں ہم کہ ہوتی ہے رعیت کس طرح — کس طرح ہوتے ہیں مقبول جہان فرمان روا
کرتے ہیں کس مہر اور الفت سے تسخیر قلوب — کس طرح بوتے ہیں دلمین خلق کے تخم وفا
کر لیا محکوم کے دلمین اگر حاکم نے گھر — تو یہ سمجھو حق حکومت کا کیا اس نے ادا
ہے یہی شاہ دکن کی گلّہ بانی کی دلیل — گلّہ اپنے گلّہ بان پر جان و دل سے ہو فدا
پوچھنے کی اہل ملک سے حاجت نہیں — ان کی خوشحالی پہ اُن کی تازہ روئی ہو گوا
دیکھتے آئے تھے جیسے راہ میں ہم سبزہ زار — خلق کو سرسبز دیکھا آکے یان اُن سے سوا
راہ میں دیکھے تھے ہم نے کوہ اگر گردون شکوہ — آکے دار الملک میں دیکھے محل[۱] گردون نما
عالمون کی تخت گہ ہی سو ہیں سب آباد یان — بیتولے شعر اند شیم سے بڑھکر بینوا
اغنیا میں ہم وہ سنتا نہیں پاتے کہیں — جیسا بے پروا نظر آتا ہے یان ایک ایک گدا
شیعی یا سنّی ہیں سب رکھتے ہیں باہم میل جول — بے تعصب بے تکلف بے تصنع بے ریا
ایک تہوار میں سب غیر ہیں ساتھ شریک — ایک کی تقریب میں ہمدم ہیں سب اور ہم نوا
دولت عالی نے حق سب کو برابر ہیں دیے — ایک پر ترجیح کچھ رکھتا نہیں یان دوسرا
پارسی ہندو مسلمان یا مسیحی کوئی ہو — ہے دکن کو ہر کوئی اپنی ولایت جانتا
ہم کو یان کہنا تھا کچھ اور کہہ گئے بھولے سے کچھ — رہگذر کی سیر نے منزل سے غافل کر دیا
تشکّر کو تھا بار جب ہم کو ملا دربار میں — کہہ نہیں سکتے کہ بیداری تھی وہ یا خواب تھا
دیکھ کر اپنی رسائی تخت آصفجاہ تک — واقعہ ہدہد و سلیمان کا ہمیں یاد آ گیا
حضرت والا نے کی شفقت سے کین نذرین قبول — اُسپہ گر جان اپنی ہم قربان کرین تو ہے بجا
جس توجہ سے سنی روداد قومی درسگاہ — شکر ہے اُسکے نہیں ہو سکتے ہم عہدہ برآ
جب سے کالج کی علی گڈھ میں بنا ڈالی گئی — دولت عالی مدد کرتی رہی اس کی سدا

[۱] یہ اشارہ ہے اُس محل کی طرف جو کہ نواب وقار الامراء بہادر نے بلدہ حیدرآباد کے باہر جانب جنوب پہاڑ پر زر خطیر صرف کر کے اپنے رہنے کے لیے بنوایا ہے اور اُس کا نام فلک نما رکھا ہے ۱۲

جو لگایا تھا درخت اُس کی ہمیشہ لی خبر　　دم بدم پانی دیا یاں تک کہ بار آور ہوا
اب سر کہ وقت آ کر پڑا تھا بانی کالج پہ سخت　　دولت عالی نے شرط دستگیری کی ادا
مشکلیں جس طرح کی تھیں قوم کی اول بحل　　کی اُسی دریا دلی سے اُنکی پھر حاجت روا
خود علی گڑھ کالج اور اُسکے ورثہ سب　　راگ گائیں گے سدا احسان آصفجاہ کا
ہند میں باقی ہیں نسلیں جب تلک اسلام کی　　جیتے جی ہو گی نہ اُسکے طوق منت سے رہا
کی ہے سر سید نے جو کوشش فلاح قوم میں　　اُسکو سمجھے ہے اہل مجلس اک زمانہ جانتا
پر ہے سر سید سے بیڑا پار ہونا تھا محال　　دولت عالی اگر ہوتی نہ اُس کی ناخدا
تھا پڑا ستی کا بیچ پوچھو تو خشکی میں جہاز　　دولت عالی نے اُس خشکی میں گنگا دی بہا
ہے روایت جبکہ ہجرت کر کے ختم المرسلین　　پہونچے یثرب میں تو یوں ارشاد یاروں سے کیا
جس طرح ہوتی ہے بانبی سانپ کی جائے پناہ　　ہو گا جیسا اب مدینہ بھی یونہیں اسلام کا
ہے بلا تشبیہ دار الملک آصفجاہ بھی　　ہند میں اب مرکز اسلام ہے ہو دُور یا
ذی لیاقت جتنے تھے ہندوستان میں ہر جگہ　　دولت عالی نے چن چن کر لیا سب کو بلا
ترجمین اور خانقاہیں، مدرسے اور مسجدیں　　سب کی امداد ہو رہی اس طرح ہے جوں گھٹا
حج بیت اللہ سے جو ہر مسلمان پر ہے فرض　　ہے دکن آنا مقدم شک نہیں اس میں ذرا
اول آنا چاہیے یاں استطاعت کے لیے　　کیونکہ ہے بے استطاعت حج کو جانا ناروا
خرچ سے ہاتھ اک مسلمان کا ہو گر اُن میں تنگ　　ہو دکن کی سمت وہ گردن اُٹھا کر دیکھتا
خواب آتے ہیں دکن کے اُس کو سوتے میں نظر　　قوم کا بچہ مڈل سے جب ذرا آگے بڑھا
ہند میں کرتے ہیں کوشش جو فلاح خلق میں　　اور مدد کو ہیں دکن کی ان کا حاضر ہر چھوٹا بڑا
چلتے چلتے انکی گاڑی بھی اٹک جاتی ہے جب　　کھینچنے کو اُسکے جاتا ہے یہیں سے منیا[1]
ہے دکن کی اور مسلمانوں کی یاری وہ مثال　　اک سمندر ہے کہ ہر سو جس میں ہے طوفان بپا

[1] جب گاڑی یا چھکڑا اپنی جگہ سے نہیں کھینچ سکتا تو بیلوں کی جوڑی کے آگے تیسرا بیل لگا دیتے ہیں اُسکو منیا کہتے ہیں ۱۲

تھا جہاز اک اسمین معمور اہل فضل و جاہ سے ... لطمۂ امواج نے پرزے کیے اُسکے اُڑا
ڈوبنے والے تھے جو وہ ڈوب کر اُبھلے نہ پھر ... بچ رہے ہین جو وہ ہر سو مارتے ہین دست و پا
کوئی کشتی یا جہاز آتا نہین اُن کو نظر ... اس محیط بیکران مین ایک زورق کے سوا
ہے وہ زورق فی المثل سرکار آصفجاہ کی ... ہے مسلمانون کو اب لے دیکے جس کا آسرا
ہے دعا جسوقت تک باقی ہند مین ہے ... یارب اس زورق کو تو موج حوادث سے بچا
ختم کر حالی سپاس صدر اعظم پر سخن ... بال بال اپنا ہے جسکے شکر مین جکڑا ہوا
تقویت سے جسکی ہر مشکل ہماری حل ہوئی ... انجمن کے منعقد ہونیکی دی جس نے رضا
پھر ادا کر جان و دل سے شکر صدر انجمن ... جسکے قدمون مین یہ زیبا ہے کہ دین آنکھین بچھا
جس نے قومی انجمن مین بن کے صدر انجمن ... قوم کو دی عزت اور انکی امیدین دین بڑھا
لیکے اذن صدر مجلس کیجیے پھر قصد وطن ... ورنہ ہے حالی دکن کی دلفریب آب و ہوا
باندھیے جلد اب رخت سفر ڈر ہے کہ ساتھ ... قافلے سے چھوٹ نہ جائے قافلہ سالار کا

۱۱۔ قطعہ مرتبہ سنہ ۱۳۰۹ ہجری [سلہ]

بمقام حیدرآباد دکن

یان بُلا کر دی ہے جو عزت ہمین سرکار نے ... اوّل اُس کا شکر کرتے ہین ادا بعد ازین

سلہ سنہ ۱۳۰۹ ہجری مین جو راقم اور مولانا محمد شبلی نعمانی اور دیگر بزرگان قوم آنریبل سر سید احمد خان بہادر کے ہمراہ علیگڈھ محمڈن کالج کی طرف سے بطور ڈیپوٹیشن کے حیدرآباد دکن مین بحضور سرکار عالی نظام حاضر ہوئے تھے اس موقع پر ایک عام جلسہ بصدارت نواب وقار الامرا بہادر بشیر باغ مین منعقد ہوا تھا جسمین راقم نے اور مولانا محمد شبلی اور بعض اور صاحبون نے کچھ نظمین سرکار عالی کے شکریہ مین پڑھی تھین جلسہ کے بعد جناب صدر انجمن نے مجھکو اور مولانا محمد شبلی کو خاص طور پر ہماری نظمین دوبارہ سننے کے لیے دولت خانہ پر طلب فرمایا تھا وہان اپنی نظم پڑھنے سے پہلے یہ قطعہ جو اسوقت موزون کیا گیا تھا راقم نے پڑھا تھا ۱۲

خدمتِ والا مین ہین اک عرض کرنی چاہتے ۔ عرض کرنے کی اجازت ہو اگر اپنے تئین
شاعری جسکو سمجھتے ہین کمال ابنائے دہر ۔ جو لیاقت اسمین ہی درکار وہ ہم مین نہین
شکر کرنا تھا ہمین سرکارِ عالی کا ضرور ۔ چند لفظین انجمن مین اس لیے ہمنے پڑھین
گرچہ کی ہی کوشش ان لفظونکے لکھنے مین بہت ۔ اور جگہ انگشت رکھنے کی نہین چھوڑی کہین
رہ گیا پر ہمسے اس کوشش مین باقی اک قصور ۔ درگذر فرمائین گے سرکار اس سے ہے یقین
اور تو کچھ خوبیان شاید ملین ان مین ۔ مگر ۔ جھوٹ ۔ جو اشعار کا زیور ہی وہ انمین نہین

۱۲ - قطعہ مرتبہ سنہ ۱۳۰۹ھ بمقام حیدرآباد

در شکر اضافۂ وظیفہ بہ پیشگاہ جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر

اے مشیرِ دولت و دین نائب شاہ دکن ۔ اے مہماتِ دکن کا ذات پر تیری مدار
مجھ پہ فرمایا ہی جو لطف و کرم سرکار نے ۔ شکر اُس کا کر نہین سکتا ادا مین زینہار
جو کہ ہوتے ہین جہان مین بہرہ ور مقصود سے ۔ پہلے ہو لیتے ہین صدہا مشکلون سے وہ دوچار
کوئی دنیا مین نہین ہوتی بغیر اسکے فتوح ۔ ہے اسی پر کامیابی کا زمانے کی مدار
پر ملا مقصود جب حالی کو اُس در سے ملا ۔ بے تردد ۔ بے تذلل ۔ بے طلب ۔ بے انتظار
قدر دانی گر زمانہ مین یونہین سمجھے عام ۔ پائین بے مانگے مرادین اپنی سب امیدوار
یارب اس سرکار کو ۔ ہی جس سے عالم فیضیاب ۔ جب تلک دنیا رہے دنیا مین رکھیو برقرار

۱۳ - ترکیب بند مرتبہ سنہ ۱۸۹۱ء مطابق سنہ ۱۳۰۹ھ

جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے چھٹے اجلاس مین بمقام علیگڈھ پڑھا گیا

شکر[۱] اُس نعمت کا یارب کر سکے کیونکر زبان ۔ تو نے رکھا ہم کو یان فقر و غنا کے درمیان

[۱] اس نظم مین متوسط درجہ کے لوگون کی حالت کو فقرا اور اغنیا دونون کی (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰ پر)

جب ہوئے بھوکے تو بخشی تو نے نان و نانخورش
پر نہ اتنی معدۂ و احشا پہ جو گذرے گران

جب ہوئے پیاسے تو بخشا آب شیرین و خنک
پر نہ ایسا ہو صراحی جسکی یارون سے نہان

ڈھانکنا چاہا بدن جب تو دیا تو نے لباس
پر نہ ایسا جسکو حسرت سے تکین خرد و کلان

کھانے پینے کو کیے برتن ہین تو نے عطا
پر نہ ایسے ٹوٹنے سے جنکے ہو خوف زیان

سونے اور آرام کرنے کو دیا بستر ہمین
پر نہ ایسا جس سے اٹھنا ہو طبیعت پر گران

رہنے سہنے کو دیے گھر تو نے ہم کو ہر جگہ
پر نہ ایسے ہو تعلق جن سے مثل جسم و جان

آنے جانے کو دیے دو پانو یان تو نے ہمین
جن سے ڈر ہے بھاگنے کا اور گرنیکا گمان

راہ اور بے راہ یکسان جن کو ہنگام خرام
کوہ سدِّ راہ جن کا اور نہ خندق اور کوان

کی سواری بھی عطا اگر جو پیش آیا سفر
پر نہ ایسے تخت فرعونی کا ہو جس پر گمان

سیم و زر وقت ضرورت ہم کو تو دیتا رہا
پر نہ اتنا ہو نگہبانی مین جسکی بیم جان

آبرو تو نے ہمین دی بیشتر اور امتیاز
پر نہ ایسی جس سے ہون محسود ابنائے زمان

نعمتین اکثر ہمین بعد از مشقت تو نے دین
تاکہ تیری نعمتون کی قدر ہو ہم پر عیان

راحتین اکثر میسر آئین تکلیفون کے بعد
تاکہ کھو بیٹھین نہ ہم ان راحتون کو رایگان

وقت پر کرتا رہا باران رحمت سے نہال
قحط اور طوفان دونو سے بچایا بال بال

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۹) حالت کہتر بتایا گیا ہے متوسطین سے وہ لوگ مراد ہین جنھون نے اپنی ذاتی کوشش اور سلف ہلپ سے دولت عزت نیکنامی یا علم و فضل مین اپنی پہلی حالت سے ترقی کرکے اپنے ہمسرون مین امتیاز حاصل کیا ہو۔ ادنی درجے سے وہ لوگ مراد ہین جو اپنی پست حالت سے آگے بڑھنا نہین چاہتے یا چاہتے ہین مگر نہین بڑھ سکتے۔ اعلی درجے سے وہ لوگ مراد ہین جو دولت و عزت کے لحاظ سے ایک ممتاز حالت مین پیدا ہوئے مگر اس حالت سے ترقی کرنیکی ضرورت نہین سمجھتے اور نیز اس حالت پر قائم رہنے کی فکر اور اس کے تنزل کرنے کا کچھ انسداد نہین کرتے ۱۲ حالی۔

الحذر اس فقر و ناداری سے سو بار الحذر — لومڑی جاتے ہیں بن جسکی بدولت شیر نر
چاپلوسی جا کے کرتے ہیں سفیہوں کی فقیہ — ناکسوں کے ناز بیجا سہتے ہیں اہل ہنر
وزن میں علم و فضیلت جنکے ہیں ہم سنگ کوہ — وہ سبک تر دانۂ خردل سے آتے ہیں نظر
فقر و حاجت میں نہو انسان کو جب صبر و شکیب — پھر نہیں کوئی برائی فقر و حاجت سے بتر
بھیک منگوا لے جوا کھلوا لے یہ چوری کرا لے — پیٹ گنوا لے آبرو کھو والے پھرا لے دربدر
ہو سکے محتاج سے طاعت نہ یاد اللہ کی — لے سکے محتاج جورو کی نہ بچوں کی خبر
گر زبان آلودہ اسکی شکوۂ تقدیر سے — اور کبھی بوچھار اس کی آسمان پیر پر
گر بخیلوں کی مذمت پر کبھی آجائے وہ — ہو نہ سب و شتم سے سیری اسے دو دو پہر
اگلے زہر اتنا کہ ہو جائے مذاق بزم تلخ — کھولدے غیبت کا دفتر اہل دولت کی اگر
گہ وبائے عام کی مانگے دعا اللہ سے — تا کہ دولتمند بھی کچھ دن رہیں آسیمہ سر
اور کبھی چاہے کہ ہو دنیا میں کوئی انقلاب — تا کہ ہو جائیں بلند اور پست سب زیر و زبر
بے حلاوت اسکی دنیا اور مذبذب اسکا دین — خوفناک اس کا ارادہ نیت اس کی پر خطر
رات اس کی حسرت آگیں اور دن اندوہگیں — شام اسکی پر نحوست اور شوم اس کی سحر
گو کہ بدتر فقر سے یا رب نہ تھی کوئی بلا — تھا مگر ثروت میں اس سے بھی زیادہ شور و شر

فقر سے تو نے بچایا یہ بھی کچھ نعمت نہیں
پر دی ثروت سو اسکے شکر کی طاقت نہیں

نشۂ دولت سے تھا پھر ہوش میں آنا محال — اس سے مرد آزما کی تھی بہت مشکل سنبھال
نفس امارہ اور اس پر چھیڑ مال و جاہ کی — ڈھیر ہے بارود کا دیجے پتنگا جس میں ڈال
باد صرصر آگ کو اسطرح بھڑکاتی نہیں — جسطرح جذبات نفسانی کو بھڑکاتا ہے مال
ہضم کرنا اور پچانا مال و دولت کا ہے بس — نفس انسان میں اگر بالفرض ہو کوئی کمال
ورنہ مال و جاہ و مکنت کا جہان آیا قدم — اور ہوئے سلب آدمی سے آدمیت کے خصال

عقل ٹھہراتی ہے جو افعال انساں پر حرام
کر دیے اُسکے لیے سب مال و دولت نے حلال

فقر میں تھا نفسِ دوں درماندہ جس پرواز سے
آ کے ثروت نے دیے پر واسطے اسکے نکال

خواہشیں یون نفس میں اب دمبدم بڑھنے لگیں
مغز میں جسطرح دیوانہ کے گونا گون خیال

آپ کو گننے لگا بالاتر از ابنائے جنس
چیونٹون میں ایک نے گویا نکالے پر و بال

مسرف بے زر ہو جیسے قرضخواہون میں گھرا
خواہشون میں اس طرح جکڑا ہوا ہے بال بال

جھک پڑی طبع دنی گر بخل و خست کیطرف
ہو گئی فرزند و زن پر زندگی اسکی وبال

اور اگر بھوت اُسکے سر پر چڑھ گیا اسراف کا
پھر نہیں گنجینۂ قارون بھی آگے اُسکے مال

آگیا غالب طبیعت پر گر استسقاے حرص
ہے سمندر سے بھی اُس کی پیاس کا بجھنا محال

باڑ پر تلوار کی چلنا نہیں شاق اس قدر
جسقدر ثروت میں ہے دشوار پاس اعتدال

گلشن دولت کے ہون انگور میٹھے بھی اگر
دیکھ لے روباہِ نفسِ دون حذر ان سے حذر

ہے عجب دنیا میں نعمت درمیانی زندگی
فقر کی ذلت سے اور ثروت کے فتنے سے بری

چین ہے دنیا میں گر کچھ تو اسی حالت میں ہے
یہ جو ہے برزخ میانِ مکنت و دستِ تہی

فقر و ثروت فی المثل ہون دوزخ اور جنت اگر
مانگتے ہین ہم حذر دوزخ سے اور جنت سے بھی

دخل شیطان کا ہو جسمیں ایسی جنت کو سلام
منزلِ اعراف سو بار ایسی جنت سے بھلی

اس کٹھن منزل میں ہے بٹیا یہی اک بیخطر
ہین ادھر کھڈا اور چڑھائی ہے اُدھر البرز کی

رکھتے ہین فقر و غنا مین جو کہ حالت بین بین
ہین حسد اور کبر کے امراض مہلک سے بری

اپنے سے اعلیٰ کی حالت پر اگر آتا ہے رشک
دیکھ کر ادنیٰ کو کر لیتے ہین اپنی دل دہی

سن کے ہو جاتے ہین سیدھے وہ بڑون کا فخر و ناز
مل کے چھوٹون سے بہک جاتا ہے گر کہتا کبھی

لذتِ فقر و غنا دونون سے ہین وہ آشنا
اغنیا مین ہین فقیر اور ہین فقیرون مین غنی

جو گذرتی ہے گدا پر اُس سے ہین وہ باخبر
کیونکہ حالت گاہ گاہ اُن پر بھی گذری ہے یہی

امتحانِ دولت کے بھی ہین کچھ نہ کچھ جھیلے ہوے / کیونکہ ہے ہر گھونٹ مین اُس مے کے بدمستی وہی

اس لیے جب دیکھتے ہین عشرتِ ابنائے جنس / جوشِ ہمدردی سے بیکل اُنکا ہوجاتا ہے جی

اور نہین کرتے زبانِ طعن بیدردی سے وا / جبکہ سنتے ہین کسی منعم کی از خود رفتگی

مست کی بے اختیاری تشنگی مخمور کی / واردات ایک ایک کی ہے سربسر انپر کھلی

جنت اور دوزخ ہے سب اِن عارفون پر جلوہ گر
گندم اور زقوم دونون انکے ہین پیشِ نظر

دل توانا اور قوی بازو انکی ہمت ان سے ہے / منتظم ہر قوم و ملت کی جماعت ان سے ہے

مشکلین اکثر انھین سے قوم کی ہوتی ہین حل / بے نوائیون کے بازوؤن مین زور طاقت ان سے ہے

ہے انھین کے دم سے جو ہے گرمیِ ہنگامہ آج / ساری قومی مجلسون کی زیب و زینت ان سے ہے

ہے جہان دولت بھی ہین نظمِ دولت کے کفیل / ملک کی دولت مین ہے جو خیر و برکت ان سے ہے

ہاتھ مین انکے ہین جتنے عقل و دانش کے ہین کام / عقل و دانش مین ہے جن ملکون کی شہرت ان سے ہے

ہین گداؤن کے وسیلے اور شاہون کے مشیر / شاہ ہون یا ہون گدا دونون کی قوت ان سے ہے

آدمیت سیکھتے ہین ان سے سب چھوٹے بڑے / نوعِ انسان مین بقائے آدمیت ان سے ہے

یہ نہون تو علم کی پوچھے نہ کوئی بات یان / رونقِ بازارِ جنسِ علم و حکمت ان سے ہے

پاؤگے انہین طبیب انہین ادیب انہین خطیب / ہے اگر انسان کو حیوان پر فضیلت ان سے ہے

پاؤگے ان مین مہندس پاؤگے ان مین حکیم / آدمی مصداقِ رحمانی خلافت ان سے ہے

کرتے ہین اخلاق ادنیٰ اور اعلیٰ ان سے اخذ / آدمی سب ہین مگر انسان عبارت ان سے ہے

ان مین قسمون کے ہین مصلح ان مین ملکون کے وکیل / آبرو قومون کی اور ملکون کی عزت ان سے ہے

پھونکتے ہین روحِ قومیت بھی افسردہ مین / ہے جہان قومون مین یکرنگی و وحدت ان سے ہے

دم سے ہے وابستہ انکے قوم کا سارا نظام
یہ اگر بگڑے تو سمجھو قوم کا بگڑا قوام

اگر نہ ہو ہر حال میں ان کی مصالح پر نظر
ہیں مفاسد گرد و پیش اُن کے فراہم سر بسر

کھیلتی ہے جسطرح بتیس دانتوں میں زبان
ہے انھیں بھی شر سے یاں بچ بچ کے رہنا عمر بھر

گھاٹیاں فقر و غنا کی اُن کے ہیں دونوں طرف
اور رستہ بیچ میں ہے بال سے باریک تر

ایک جانب پستیِ فطرت ہے اور دُون ہمتی
ایک جانب مستی و غفلت ہے اور کبر و بطر

جھک پڑے گر اسطرف تو مُفت کھو بیٹھے انھیں
وہ جو اُڑنے کے لیے حق نے دیے تھے بال و پر

ڈھل گئے گر اسطرف تو اُس بلا میں پھنس گئے
جسمیں پھنس جاتی ہے مکھی شہد میٹھا جان کر

برکتیں اللہ کی اُس قوم پر جس قوم میں
رہ سپر ہر طبقے والا ہو سیدھی راہ پر

ہیں معطل اغنیا اور بے نوا کوتاہ دست
سب کی پڑتی ہے انھیں کے دست و بازو پر نظر

جو قویٰ اُن کو ملے ہیں کام میں لائیں انھیں
تاکہ فرزندوں کی طرح ہو زندگی اُن کی بسر

فرض ہیں جو اُنکے ذمہ خالق اور مخلوق کے
اُن میں سرگرداں رہیں پروانہ وار آٹھوں پہر

قوم ہو گر ناتواں تو تقویت بخشیں اُسے
کیونکہ اُسکے ضعف سے ہے اُن کی قوت کو ضرر

گو نجات انسان کو مکروہات دنیا سے نہیں
جن سے بچنا گوشت سے ناخن جدا ہونا مگر

کام دنیا میں سنوارے ہیں جنھوں نے قوم کے
تھے نکوں سے وہ مکروہات میں آلودہ تر

سارے بھگتاتے تھے بائیں ہاتھ سے دنیا کے کام
اور داہنے سے مہم قوم کی کرتے تھے سر

جسطرح اس انجمن کے رکن آئے ہیں تمام
قوم کی خاطر ہزاروں چھوڑ کر دنیا کے کام

قوم کو ہے آس جسکی وہ جماعت ہے یہی
جس سے جان آتی ہے مُردوں میں وہ طاقت ہے یہی

اتفاقِ قوم ہے اقبال و دولت کی دلیل
ہاتھی کو کرتی ہے جو بے بس وہ قوت ہے یہی

مال و دولت نا مبارک ہے نہو گر اتفاق
قوم جس دولت کی بھوکی ہے وہ دولت ہے یہی

یاں وکیل ایک اک ہی شہر اور ملک کا قائم مقام
دانہ کو کرتی ہے جو خرمن وہ برکت ہے یہی

رائیگاں جائیگا یاروں کا نہ یہ رنجِ سفر
راحتیں جسکی طفیلی ہیں وہ زحمت ہے یہی

فرد فرد آتے ہیں جو جاتے ہیں یاں سے مجتمع ملتے ہیں جسکی بدولت دل وہ ملت ہے یہی
تم ہمارے کام آؤ ہم تمھارے کام آئین جس سے کل چلتی ہے دنیا کی وہ حرکت ہے یہی
قوم کی خدمت مین ہے مضمر ربوبیت کی شان جو کہ پجواتی ہے خادم کو وہ خدمت ہے یہی
قوم کی ذلت کو سمجھین ذلت اپنی سب عزیز ملک مین عزت سے اب رہنے کی صورت ہے یہی
سال بھر رہتا ہے نقش اس انجمن کا یادگار جو کبھی برہم نہین ہوتی وہ صحبت ہے یہی
کر رہا ہے قوم کے سرکل کو یہ مجمع وسیع جزر سے افزون ہے مد جسکا وہ رحمت ہے یہی
اتفاقاً گر کبھی ہو جائے یہ ہنگامہ سرد ڈر نہین اس کا کہ خود قانون قدرت ہے یہی
ہے کبھی افراط باران اور کبھی ہے قحط آب طینت عالم مین خاصیت ودیعت ہے یہی
کال ہے گر اس برس تو ہے سمان اگلے برس جو خبر دیتی ہے کثرت کی وہ قلت ہے یہی
دیگ تو پکتے ہی یہ پکے گی دھیمی آنچ مین کچھ ابال آیا تو ہے اس مین غنیمت ہے یہی

انجمن ہے قوم کی ہنگامہ شادی نہین
ایک دن کا کام کچھ دنیا کی آبادی نہین

۱۴ مسدس مرثیہ ۱۳۱۰ھ

مرثیہ جناب حکیم محمود خان مرحوم دہلوی

اے جہان آباد اے اسلام کے دار العلوم لے گئی علم و ہنر کی تیرے اک عالم مین دھوم
تھے ہنرور تجھ مین اتنے جتنے گردون پر نجوم تھا افاضہ تیرا جاری ہند سے تا شام و روم
زیب دیتا تھا لقب تجھ کو جہان آباد کا
نام روشن تجھ سے تھا غرناطہ و بغداد کا

تیری طینت مین ودیعت تھا مذاق علم دین جیسے اُمی تجھ مین تھے عالم نہ تھے ایسے کہین
ہند مین جو تھا محدث تھا وہ تیرا خوشہ چین تھی محدث خیز اے پایتخت تیری سرزمین

تھا تفقہ بھی مسلّم تیری خاک پاک کا
بیہقی وقت تھا ایک اک فقیہ اس خاک کا

شاذ و نادر تھا تصوف میں کوئی تیرا نظیر — آب و گل کا تیرے تھا گویا تصوف سے خمیر
تیرے کھنڈروں میں پڑے سوتے ہیں وہ مہر منیر — تھا کبھی انوار سے جن کے زمانہ مستنیر
آج جس دولت کا بازار جہاں میں کال ہے
تیرا قبرستان اُس دولت سے مالا مال ہے

طب میں گو یونانیوں کا سب سے آگے تھا قدم — آن کر اُس نے لیا تھا دوسرا تجھ میں جنم
جب کہ تو آباد تھا دنیا میں اے باغ ارم — بھرتے تھے تیرے اطبا بھی مسیحائی کا دم
ہند میں جاری تجھی سے طب یونانی ہوئی
شہر شہر اس جنس کی یاں تجھ سے ارزانی ہوئی

خاک سے اُٹھے ہیں تیری جیسے جیسے نکتہ ور — ایک جہاں شیوا بیانی سے ہے اُن کی باخبر
راس تھی آب و ہوا تیری سخن کو جسقدر — سرو کو ہوگی نہ راس اتنی ہوائے غاتفر[1]
حُسن صورت میں اگر ضرب المثل نوشاد[2] تھا
حُسن معنی تیرا حصہ اے جہان آباد تھا

لیکے ساتھ اسلام نکلا تھا عرب سے جو علوم — جنمیں تھی اسلامیوں کی چار عالم میں دھوم
دولت و اقبال کا جبتک رہا تجھ پہ ہجوم — کھیتیوں پر تیری ابر آتے تھے اُٹھکے جھوم جھوم
آئی گلشن میں نہ تیرے بھولکر فصل خزاں
تیری سرحد میں رہا ہر علم و دانش کا سماں

جسطرح تھا فضل و دانش میں ترا مشہور نام — تھے تمدن میں بھی پیرو تیرے جمہور انام

---

[1] غاتفر سمرقند کے قریب ایک قطعۂ زمین ہے جہاں کا سرو خوبی و زیبائی و راستی میں ضرب المثل ہے ۱۲

[2] نوشاد اور خلخ دو شہر قدیم ترکستان میں تھے جو حسن خیزی میں مشہور تھے ۱۲

آدمیت سیکھنے آتے تھے تجھ سے خاص و عام　　شہری و بدوی تری تقلید کرتے تھے مدام

رسم میں آئین میں اوضاع میں اطوار میں
طرز میں انداز میں رفتار میں گفتار میں

رہ گیا باہر سے آکر جو کہ تجھ میں چند سال　　ڈھل گئے سانچے میں گویا اسکے عادات و خصال
آکے بن جاتا تھا یاں نقصان انسان کا کمال　　تیرے پرچھاویں سے موتی بن کے جاتے تھے سفال

آتے ہی انسان کی کایا پلٹ جاتی تھی یاں
چار دن میں اور ہی صورت نکل آتی تھی یاں

تیرا معمورہ تھا اک عالم میں مرجع اور مآب　　آن کر لیتے تھے یاں ٹھیکی جہان کے انتخاب
بستے تھے اطراف سے آآکے تجھ میں شیخ و شاب　　کر دیا تھا تیری آبادی نے ملکوں کو خراب

جمگھٹا تھا تجھ میں ترک و فرس و روم و زنگ کا
دستہ تھا گویا کہ تو گلہائے رنگا رنگ کا

لیکن آخر طبع دوران کا ہے جیسے اقتضا　　ہر ترقی کی ہے حد ہر ابتدا کی انتہا
جب کہ دورہ اپنا تو دنیا میں پورا کر چکا　　وقت لے جان جہان تیرا بھی آخر آ لگا

گردش افلاک کے ہونے لگے تجھ پر بھی وار
تیرے گلشن سے بھی کوچ آخر لگی کرنے بہار

تجھ پہ اے دار الخلافت انقلاب آنے لگے　　غیب سے تجھ کو تباہی کے خطاب آنے لگے
طالعِ مشفق کے پیغامِ عتاب آنے لگے　　تیرہ بختی کے نظر یاروں کو خواب آنے لگے

دولت و اقبال کا بندھنے لگا رخت سفر
تجھ سے اے دار العلوم اٹھنے لگا علم و ہنر

ہو گئے تیرے محدث راہی دار السلام　　کر گئے دنیا سے رحلت تیرے مفتی اور امام
ہو گیا رخصت جہان سے تیرا جاہ و احتشام　　رفتہ رفتہ ہو گئی سب صاحبی تیری تمام

مجلسیں برہم ہوئیں زیر و زبر دیوان ہوئے
خانقاہیں بے چراغ اور مدرسے ویران ہوئے

چل دیے نوبت بہ نوبت تیرے شاعر و ادیب — مٹ گئی تیری طبابت چھٹ گئے تیرے طبیب
جاگ جاگ آخر سدا کو سو گئے تیرے نصیب — اس گلستاں سے نہ اٹھی پھر صدائے عندلیب
جنکو کھو بیٹھے نظیر ان کا کہیں پایا نہ پھر
جو گیا اُس کا کوئی قائم مقام آیا نہ پھر

گر گئے اخلاق اور آداب سب تجھ سے سفر — گر گیا نظروں سے تیرا سب جلال و جاہ و فر
جھڑ گئے تاج شرف سے تیرے سب لعل و گہر — تجھ کو لے دارالخلافت کھا گئی کسکی نظر
علم ہے باقی نہ اب دولت ہے تیرے پاس وہ
اے گل پژمردہ تیری کیا ہوئی بو باس وہ

دورِ آخر میں کہ تیرا تیل تھا سب جل چکا — بجھتے بجھتے تھا کچھ اک تو نے سنبھالا سا لیا
خاک نے ان تیری پھر اُگلے وہ لعل بے بہا — جن سے روشن ہو گیا کچھ دن کو نام اسلاف کا
عہد ماضی کا سماں آنکھوں میں سب کی چھا گیا
خواب جو بھولا ہوا مدت کا تھا یاد آ گیا

جاہ و مکنت قوم کی گو تجھ میں کچھ باقی نہ تھی — پیشہ کی عرض ہنر میں تو نے اب بھی کوتہی
اس بزرگی سے گذاری تیرے شہروں نے صدی — پھر گئی آنکھوں میں پھر تصویر دورِ اکبری
علم دیں شعر و حکمت طب و تاریخ و نجوم
ڈال دی پھر اپنی تو نے چار سو ہر فن میں دھوم

ملک میں تھا ہر سو وہی پھر بول بالا تھا ترا — تھا جہاں علم و ہنر گودوں کا پالا تھا ترا
تھی جہاں کچھ روشنی وہ سب اجالا تھا ترا — پھر جو دیکھا غور سے وہ اک سنبھالا تھا ترا
چاند نکلا تھا گہن سے جو وہ پھر گہنا گیا

چار دن کی چاندنی تھی پھر اندھیرا چھا گیا

علم والے علم کے دریا بہا کر چل دیے — واعظانِ قوم سوتوں کو جگا کر چل دیے
کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیے — کچھ مسیحا تھے کہ مردوں کو جلا کر چل دیے
ایک تختہ رہ گیا تھا تیری ٹوٹی ناؤ کا
لے گئی سیلِ فنا اُس کو بھی لے دلّی بہا

جا چکی تھی تجھ سے گو اے شہر عظمت قوم کی — ہو چکی تھی آبرو مدت سے رخصت قوم کی
پر کچھ اک محمود خان کے دم سے تھی پت قوم کی — اُٹھ گیا وہ بھی جہان سے آہ قسمت قوم کی
کیا دکھا کر اب دلائیگا سلف کو یاد تو
ناز اب کس پر کرے گا اے جہان آباد تو

تجھ میں ہے دلّی! کوئی اب ایسا مقبولِ جہان؟ — نازشِ دار الخلافت مرجعِ ہندوستان
ہند سے لے تا عرب کشمیر سے تا انڈمان — بچہ بچہ کی زبان پر نام ہے جسکا رواں
نیم جانوں کا مسیحا اور غریبوں کا طبیب
خود حکیموں کا معالج اور طبیبوں کا طبیب

ہے کوئی اب تجھ میں پھر ایسا یکتائے زمان؟ — واقعاتِ زندگی گر دیجیے اُس کے بیان
سمجھیں اک افسانہ ناواقف اسے اور داستان — ہے تعجب خیز الحق سیرتِ محمود خان
یا وہ اک جوہر الگ تھا جوہرِ انسان سے
یا نکلتے اب نہیں ایسے جواہر کان سے

اس کا تھا دیوان خانہ ملک کا دار الشفا — خلق کا دن رات رہتا تھا جہان تانتا بندھا
مفت بیماروں کو اُسکے در سے ملتی تھی دوا — فکر نذرانہ کا تھا اُن کو نہ شکرانہ کا تھا
اُس کے استغنا سے جھک جاتا تھا سر مغرور کا
اور عنایت سے کنول جاتا تھا کھل مزدور کا

بے حقیقت اُس نے سمجھا مال و دولت کو سدا — تھے برابر اُسکے نزدیک اغنیا اور بے نوا
گو طبیب اور ڈاکٹر تھے شہر مین بے انتہا — کوئی مفلس کا نہ تھا پرسانِ حال اُسکے سوا
کرتے ہین جو دعوی ہمدردیِ نوعِ بشر
اُس نے باطل کر دیے تھے انکے دعوے سر بسر

طبِ مسلمانون کی لی اس کی مسیحائی نے تھام — ورنہ اب تک اُسکی عمر ہو چکی ہوتی تمام
رونقِ طبِ جدید اور اس پہ میل خاص و عام — درسگاہون اور دواخانون کا اُسکے انتظام
دیکھ کر تھا اک زمانہ اُسکی خوبی کا مقر
طبِ یونانی گئی تھی خلق کی نظرون سے گر

سرجنون کے دیکھ دیکھ آلات و اعمال و حیل — آگیا تھا راے مین زود اعتقادون کی خلل
دین مگر اُسکی مسیحائی نے سب آئین بدل — طبِ یونانی گئی کچھ دن کو پھر گر کر سنبھل
سلطنت او عقل تھی جس فوج کی ہمت فزا
ایک طاقت اُسکے حملون سے ہوئی عہدہ برآ

گو کہ جاتے تھے شفا خانون مین خاص و عام سب — پر اُلجھ جاتے تھے سخت امراض مین بیمار جب
خلق کا پھر ملجا و ماویٰ اُسی کا تھا مطب — اُسکے بیمارون کو گو مایوس ہون یا جان بلب
سو تدبیر و معالج کی خطا کا ڈر نہ تھا
موت کا ڈر تھا مگر مہلک دوا کا ڈر نہ تھا

رکھتے ہین آلات پر سرجن بھروسا جس قدر — کرتے ہین معلوم جو جو اُن سے امراضِ بشر
وہ بتا دیتا تھا سب کچھ رکھ کے انگلی نبض پر — اُسکی اک انگلی پہ تھے قربان سو تھرما میٹر
نارسا تھین دوربینین اہلِ صنعت کی جہان
جا پہونچتی تھی نگاہِ دوربین اسکی وہان

شہر کے سب مرد و زن پیر و جوان خرد و کلان — تھے قوی پشت اُس سے ایسے جیسے پشتہ سے مکان

جسکو نسخہ دیدیا لکھ کر وہ یہ سمجھا کہ ہان　　زندگانی کے ابھی کچھ اور دن باقی ہین ہان
گو کہ ماتم ملک مین ہے اُسکا ہر سو آجکل
پر گئی لے شہر تیری جان ہی گویا نکل

کیا عجب پیدا ہون پھر ایسے طبیب اور چارہ گر　　جو کہ تشخیص مرض مین رکھتے ہون غائر نظر
خلق کو تکیہ ہو جن کی رائے اور تدبیر پر　　شہر مین وہ مرجع کل، ملک مین ہون نامور
جمع ہون محمود خان کے ذات مین انکی کمال
ہے یہ سب ممکن مگر محمود خان ملنا محال

راستی اور راستبازی اسکی تھی ضرب المثل　　اُسکے کامون مین ریا تھی اور نہ باتون مین دغل
امتحان کے وقت جب تھا نظم عالم مین خلل　　راستبازون کی گئی تھی ٹھیک جب یہ سو نکل
کھوٹ سے اُس آنچ مین نکلا وہ خالص اسطرح
آگ مین تپ کر کھرا رہتا ہے کندن جسطرح

وہ زمانہ جبکہ تھا دلّی مین اک محشر بپا　　نفسی نفسی کا تھا جب چارون طرف غُل پڑ رہا
اپنے اپنے حال مین چھوٹا بڑا تھا مبتلا　　باپ سے فرزند اور بھائی سے بھائی تھا جُدا
موجزن تھا جبکہ دریای عتاب و ذوالجلال
باغیون کے ظلم کا دُنیا پہ نازل تھا وبال

دیکھ کر یارون کو جب آنکھین چُرا جاتے تھے یار　　ساتھ دینا تھا کسی کا موت سے ہونا دوچار
یار سے یار آشنا سے آشنا تھے شرمسار　　شہر مین تھی چار سو گویا قیامت آشکار
آگ تھی اک مشتعل ایسی کہ تھا جس سے خطر
جل نہ جائین اُسکے شعلے سے کہین خشک و تر

ہو رہا تھا جبکہ کھوٹے اور کھرے کا امتحان　　کر رہا تھا اپنے جوہر خاک کا پُتلا عیان
ایک جانب تھی اگر خندق تو اک جانب کنوان　　بال سے باریک تر تھی راہ ان کے درمیان

راہرو گمراہ تھے اور راہ پرخوف و خطر
اُسنے دکھلایا کہ یون چلتے ہین سیدھی راہ پر

مجرم و بے جرم مین تھا حاکمون کو اشتباہ — عدل تھا مجرم کا دشمن اور بری کا عذر خواہ
مجرمون کے جرم پر دیوار و در تھے سب گواہ — پر نہ تھا کوئی شفیع ان کا کہ جو تھے بے گناہ

ایسے نازک وقت مین مردانگی جو اُسنے کی
اہل انصاف اسکو بھولے ہین نہ بھولینگے کبھی

بالیقین جن مجرمون کو اُس نے سمجھا بے خطا — مارشل لا مین ثبوت ان کی گواہی کا دیا
چین سے بیٹھا نہ جبتک ہوگیا اک اک رہا — جو کہ تھے نادار کی ان کی اعانت بر ملا

زر دیا کھانا دیا کپڑا دیا بستر دیا
بے ٹھکانون کو ٹھکانا بے گھرون کو گھر دیا

قصے جھگڑون مین کبھی ٹپکی جبکی خو نہ تھی — دی گواہی جسنے ہرگز جھوٹی یا سچی نہ تھی
جسنے صورت تک عدالت کی کبھی دیکھی نہ تھی — ہاتھ سے جسکے بڑون کی آن اب تک دی نہ تھی

بیگناہون کیلیے وہ سات دن چکر مین تھا
پانو اُس کا عدالت مین تھا اور اک گھر مین تھا

جبکہ عنقا تھی دیانت مین ابناء الزمان — تھی امانت جبکی اسکے پاس ہلکی یا گران
خوف مین پاس اپنے رکھا اسکو مثل پاسبان — کی حوالے مالکون کے جب ہوا امن و امان

ایک عالم تا خدا ترسی مین جب بیباک تھا
اُسکا دامن تھا کہ ہر دھبے سے بالکل پاک تھا

وضعداری مین نہ تھا اُس کا زمانہ مین بدل — وضع مین اسکی تغیر تھا نہ عادت مین خلل
وقت کی تاثیر کا اسپر نہ چلتا تھا عمل — انقلاب دھر کی زد سے گیا تھا وہ نکل

اسکے آگے ان نئے سانگون کی کچھ ہستی نہ تھی

اُس پہ چلتی کچھ زمانہ کی زبردستی نہ تھی

کی تھی جو بچپن سے طرزِ زندگانی اختیار — اُسمیں فرق آیا نہ وقتِ واپسین تک زینہار
کوہِ راسخ کی طرح تھا ایک حالت پر قرار — وضع اُسکی جو کہ تھی وضعِ سلف کی یادگار
قوم کے از پا درفتہ خواب کی تعبیر تھی
عہدِ عالمگیر اکبر شاہ کی تصویر تھی

سر پہ دُنیا کے علایق کا تھا گو بارِ گران — پر ہر اک حالت میں ہلکی پھول سی ہستی تھی جان
پا بگل دنیا میں پر دنیا کے غم سے بر کران — رنج ہو یا ہو خوشی جب جا کے دیکھو شادمان
ظاہرا پابند تھا دنیا کی رسم و راہ کا
دل مگر پایا تھا ایسا جیسا اہل اللہ کا

منقبض اُسکو نہ مکروہات میں پایا کبھی — غم سے دنیا کے نہ پیشانی پہ بل لایا کبھی
دل کسی بادِ مخالف سے نہ کملایا کبھی — تلخیٔ دوران سے چتون پر نہ بل آیا کبھی
کی بسر دار المحن میں بزمِ عشرت کی طرح
عمر کاٹی دوزخِ دنیا میں جنت کی طرح

مٹ گئی افسوس اک ایسی سلف کی یادگار — قوم میں جسکی مثال آئندہ کم دیکھینگے یار
گل کھلائے گی نئے گلشن میں اب بادِ بہار — رنگ ہوگا جنمیں لیکن بو نہ ہوگی زینہار
کرتے ہیں جب یاں حوادث کی نظر انجام پر
قوم میں اک ہم کو سناٹا سا آتا ہے نظر

اک زمانہ تھا کہ تھا ہم سے موافق روزگار — اہل علم و فضل و دانش کا نہ تھا ہم میں شمار
ایسے حاصل خیز دنیا میں نہ ہونگے کشت زار — جیسے مردم خیز تھے اسلام کے شہر و دیار
مرتا تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا یاں
سورج آتا تھا نکل جب چاند چھپ جاتا تھا یاں

یا یہ اب پہنچی ہے ہم میں نوبت قحط الرجال ایک اٹھ جاتا ہے دُنیا سے اگر صاحب کمال
دوسری ملتی نہیں دُنیا میں پھر اسکی مثال ذات باری کی طرح گویا کہ تھا وہ بے مثال

ظاہر اب وقت آخر ہے ہماری قوم کا
مرثیہ ہے ایک کا اب نوحہ ساری قوم کا

سنتے ہیں حالی سخن میں تھی بہت وسعت کبھی تھیں سخنور کے لیے چاروں طرف راہیں کھلی
داستان کوئی بیان کرتا تھا حسن و عشق کی اور تصوف کا سخن میں رنگ بھرتا تھا کوئی

گاہ غزلیں لکھ کے دل یارونکا گرماتے تھے لوگ
گہ قصیدے پڑھ کے خلعت اور صلے پاتے تھے لوگ

پر نہ ملی ہم کو مجال نغمہ اس محفل میں کم راگنی نے وقت کی لینے دیا ہم کو نہ دم
نالہ و فریاد کا ٹوٹا کہیں جا کر نہ سم کوئی یاں رنگین ترانہ چھیڑنے پائے نہ ہم

سینہ کوبی میں رہے جبتک کہ دم میں دم رہا
ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا

۱۵۔ ترکیب بند مرتبہ ۱۸۹۳ء مطابق ۱۳۱۱ھ

جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتویں اجلاس میں بمقام دہلی پڑھا گیا

یہ خاک۔ آج جس پر ہیں جمع اہل آرا یاں ہو چکے کرشمے کیا کیا ہیں آشکارا
اِس باغ میں بہاریں جو جو گذر چکی ہیں آنکھوں کے روبرو ہے گویا سماں وہ سارا
کل جشن فتح تھا یاں ہے آج جشن شادی ہر دم عروج پر ہے اسلام کا ستارا
بلبن کے آج مہمان خاقان ہیں اور سلاطین اصطخر ہے کہ دلّی بلبن ہے یا کہ دارا
فیروز شہ کی ہے کل ٹھٹھے سے آمد آمد دولھا بنا ہوا ہے تزئین سے شہر سارا
تغلق کا آج لشکر تیمور کے مقابل بہر مدافعت ہے میدان میں صف آرا

مغلون کے اُڑ رہے ہین کل جشن فتح و نصرت
تیمور سے زمانہ ہے بر سر مدارا

آتا ہے آج بابر لودی پہ فتح پاکر
ہین شوق شاہ نو مین پیر و جوان خود آرا

کل سوریون مین ہر سُو بجتے ہین شادیانے
مغلون کا آ رہا ہے گردش مین کچھ ستارا

ہے جشن فتح پھر آج چغتائیون مین برپا
اقبال نے ہے گویا مغلون سے قول ہارا

جس دھوم سے ہے گھر گھر جشن جلوس اکبر
ہے گرد اسکے آگے جشن قباد و دارا

شاہ جہان خوشی سے پھولا نہین سماتا
تعمیر ہو چکے ہین شہر و فصیل و بارہ (قلعہ ۱۲)

تیاری اس خوشی مین جشن عظیم کی ہے
گویا کہ ہے جہان مین جشن سدہ دوبارا

اطراف ہند سے ہین اعیان مُلک آئے
پاکر حضور شہ سے سب جشن کا اشارا

ارکان سلطنت ہین سب پاے تخت حاضر
بالاے تخت طاؤس ہے شاہ جلوہ آرا

وہ جشن کرنیوالے گو خاک مین نہان ہین
پر جشن انکے اب تک سب زیب داستان ہین

اے خاک پاک دہلی اے تختگاہ شاہان
پیش نظر ہین تیرے سب اگلے ساز و سامان

ہنگامے اس زمین پر لاکھون ہین گرم ہر سو
پر کوئی جشن قومی آتا نہین نظر یان

تقریب جشن جسمین ہو کچھ نہ جز اخوت
ملکون سے جمع آکر جسمین ہوئے ہون اخوان

پائین و صدر کا ہو جسمین نہ کچھ تفاوت
خرد و بزرگ کی ہو جسمین نشست یکسان

جن کو نہ ہو بلاوا حاکم کا اور نہ قدغن
لایا ہو کھینچکر دل ان کو نہ حکم سلطان

خادم ہون جسقدر وان مخدوم قوم کے ہون
مخدوم جتنے ہون ان سب قوم پہ ہون قربان

خاطر کسی سے چاہے کرے نہ وان تواضع
ہون خود ہی میزبان وہ اور خود ہی ہون وہ مہمان

ٹھہرائین جسکو چاہین وہ آپ میر مجلس
چاہین جسے بنائین وہ آپ میر سامان

سدہ آگ کو کہتے ہین جشن سدہ وہ جشن ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ دنیا مین سب سے اول جمشید نے چقماق سے آگ نکلنے کی خوشی مین بڑی دھوم سے ایران مین کیا تھا ۱۲

آئے ہون اگر حضر سے سب لے کے تا بہ چین — دنیا مین کس طرح ہون سرسبز پھر مسلمان
ہندوستان مین کیونکر باقی رہے نشانی — اُس قوم کی کہ تھا کل جنکے وہ زیرِ فرمان
نکلین تو کیونکہ نکلین ذلت سے وہ گھرانے — اعزاز نے تھا باندھا جنکے بڑون سے پیمان
اُن مدرسون کا کیونکر جاری رہے افاضہ — جن کے سبب ہے زندہ نامِ حدیث و قرآن
جو مسجدین ہین سر بسر ذکرِ خدائے واحد — محفوظ حادثون سے کیونکر ہون انکے ارکان
جو کچھ ہے بھائیون کی تقدیر مین وہ سر ہے — اپنی طرف سے لیکن ہے سعی فرضِ انسان
اے شہ نشین اسلام اے معدنِ سلاطین — اے پایۂ تختِ سادات ای و اریکۂ مغلان

تو جشن گاہِ شاہان ہر عہد مین رہا ہے
ایسا بھی جشن کوئی تجھ مین کبھی ہوا ہے؟

شاہون کے جشن تھے وہ یہ جشن قوم کا ہے — شوکت مین وہ بڑے تھے عظمت مین یہ بڑا ہے
دولت کے تھے وہ جلوے ملت کا ہے یہ نقشہ — کاغذ کی تھین وہ ناوین بیڑا یہ نوح کا ہے
بے روح تھے وہ قالب ہے اس مین روح خوشی — موجِ سراب تھے وہ یہ چشمۂ بقا ہے
میلے نہ وہ بچھڑتے روح اُن مین گر یہ ہوتی — رہتا ہے آندھیون مین روشن یہ وہ دیا ہے
وہ دن گئے کہ نازان تھی قوم سلطنت پر — اب قوم کو خدا کا یا اپنا آسرا ہے
بس سلطنت یہی ہے رل بیٹھنا ہمارا — یہ چھت نہ سمجھو سر پر سایۂ ہما ہے
گم گشتہ بخت جسکو پھرتے ہین ڈھونڈھتے ہم — لگتا ہے کچھ تو اس کا لگتا ہمین پتا ہے
وہ مشکلین کرین گے اب حل ہمین تھین جو کچھ — جن مشکلون کا ہم کو اور تم کو سامنا ہے
ہم مین اگر مخالف کچھ ہون اس انجمن کے — معذور ہین وہ اُن سے شکوہ نہ کچھ گلا ہے
فوجِ ملک کو اکثر سمجھا ہے فوجِ دشمن — حملہ ملک پہ اپنی اپنون نے خود کیا ہے
نادم ہوے ہین لیکن روشن ہوا ہی جب دن — انسان سے ہمیشہ ہوتی رہی خطا ہے
قدر ایسی مجلسون کی مدت مین ہوگی ہم کو — ابتک ضرورتون نے مضطر نہین کیا ہے

ہوتی ہے قدر ان کی بنتی ہے جان پر جب — لاتے ہیں تب یہ ناؤ میں جب بیڑا ڈوبتا ہے
گو سب جہاز والے خطرے سے بےخبر ہیں — پر رنگ ناخدا کا کچھ فق سا ہو رہا ہے

آفات بحر سے ہیں ناواقف آشنا سب
ہنستے ہیں ناخدا پر روتا ہے ناخدا جب

گلشن میں فصل گل کے سب چلے نشان ہیں — چپ چاپ سے عنادل گلشن میں نغمہ خوان ہیں
طاؤس و کبک خوش خوش گلشن میں ہیں خراماں — اور بیٹھے ہاتھ ٹوٹے گلچین و باغبان ہیں
غفلت کی چھا رہی ہے کچھ قوم پر گھٹا سی — بےفکر و بےخبر ہیں بوڑھے ہیں یا جوان ہیں
اتراتے ہیں سلف پر اور آپ ناخلف ہیں — رستہ کدھر ہے ان کا اور جا رہے کہاں ہیں
فضل و کمال اُن کے کچھ تم میں ہوں تو جانیں — گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں
کھیتوں کو دے لو پانی اب بہ رہی ہے گنگا — کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں
تم سے کھچے تو تھا جو عزت کو قوم کی کچھ — اپنے تو قافلے سب پا در رکاب ہیں
اک خضر رہ نے رستہ سیدھا بتا دیا ہے — رستے پہ دیکھیں چلتے اب کتنے کارواں ہیں
خدمت میں ان کی حالی کہتا ہے با ادب — اس وقت رونق افزا یاں جتنے مہماں ہیں
دنیا میں گر ہے رہنا تو آپ کو سنبھالو — ورنہ بگڑنے کے یاں آثار سب عیاں ہیں
عرصہ ہوا کہ ہم کو آنکھیں دکھا رہے ہیں — قدرت کے قاعدے جو دنیا پہ حکمراں ہیں
جو اپنے ضعف کا کچھ کرتیں نہیں تدارک — قومیں وہ چند روزہ دنیا میں مہماں ہیں
گھڑیال اور مگرمچھ ہیں اُن کو نگلے جاتے — دریا میں مچھلیاں جو کمزور و ناتواں ہیں
سنبھلو وگرنہ رہنا یاں اس طرح پڑے گا — بھیل اور گونڈ جیسے گمنام و بےنشاں ہیں

غفلت میں مبادا اب روز بد دکھائیں
ڈھونڈے سے کچھ نشاں ہیں ڈھونڈے نہ ہاتھ آئیں

اشعار متفرقہ

انمین اکثر وہ اشعار ہین جو لوگون کی فرمایش سے خاص خاص موقعون پر اُردو یا فارسی وغیرہ مین لکھے گئے ہین

تمہید رقعہ شادی عروسی

شکر کیجے کون سی نعمت کا خالق کی ادا — ایک سے ہے ایک نعمت اسکی بندون پر سوا
اسکی قدرت کے خزانون مین نہین ہرگز کمی — جس نے جو مانگا وہی اُس نے مہیا کر دیا
نخل تر کو پھل دیا اور پھل کو بخشا رنگ و بو — سیپ کو موتی دیا موتی کو دی آب اور ضیا
کھیتون کو مینھ دیا ماں باپ کو اولاد دی — اس سے دی دنیا کو رونق اس سے آنکھون کو جلا
عمر روز افزون عطا فرمائی پھر اولاد کو — کل چھٹی تھی جنکی ہے دن آج انکے بیاہ کا
آؤ اسکے شکریہ مین ملکے باہم شاد ہون — تاکہ صورت سے ہو ظاہر شکر انعام خدا

ایضاً

چھٹی بیاہ یا تیج تہوار ہو — لب آب یا صحن گلزار ہو
گل و لالہ ہو یا ہو عطر و گلاب — مے و نغمہ ہو یا ہو چنگ و رباب
یہ ساری خوشی کے ہین ساماں جب — کہ ہون ایک جا جمع احباب سب
بزرگون سے محفل کی شوکت بڑھی — عزیزون اور پیارون سے عزت بڑھی
جہان اسطرح جمع ہون چار یار — ہین اس بزم پر لاکھ گلشن نثار

ایضاً

شکر کہ از فضل خدائے جہان — وقت خوشی از پردہ برآمد عیان
شادی دل را سبب آمد بدست — فرصت بزم طرب آمد بدست
تا شود از مقدم اہل کرم — کلبۂ ما غیرت باغ ارم

ایضاً

رفت آسیب زمستان باد نوروزی وزید — دوستداران را بشارت باد و یاران را نوید
طرح بزم خسروی باہمدگر باید نہاد — نغمۂ شکر الٰہی دمبدم باید کشید

ایضاً

سَلامٌ مِن مُحِبٍّ مُستَكِينٍ — عَلَيهِ الخَيرُ وَالبَرَكاتُ تَترىٰ
سَلامٌ مِن دُمُوعٍ بَل دِماءٍ — وَبَينَ يَدَيهِ لِلأَحبابِ بُشرىٰ
وَدَعوَةُ شاهِدِينَ وَغائِبِينا — مِنَ الإِخوانِ وَالخُلّانِ طُرّاً

خاتمہ رقعہ شادی

فَأَطيَبُ العَيشِ فِي الدُّنيا لِعَبدِهِ — رَهِينَتُهُ بِزِياراتِ الأَحِبّا

ایضاً

ہزار دیدہ و دل فرش راہ یارانے — کہ از مسرت یاران مسرت اندوزند
بہ شادی و طرب جمع گر شوند انبار — ہزار رخ زشمع دلے برافروزند

ایضاً

کار احباب ساختن بتوان — دوستان را نواختن بتوان
تا بہ دہر ابر و باد خواہد ماند — از شما لطف یاد خواہد ماند

اشعار غزل ناتمام

اس زندگی کے ہاتھوں چین ایک دن نہ پایا — یہ جان ہر بدن میں یا خار پیرہن میں

حاضر ہو جب تو دل ہمیں ہر باغ و داغ یکسان
ہم دوستو گئے بھی۔ تو کیا گئے چمن مین

ہے اک خراش دل مین وہ ہی کہیں نہ آئے
زخمی ہو تیر دان مین اور رشک ہے ختن مین

تو اپنے بھولے پن سے شیدا ہوئی ہو ورنہ
اے فاختہ صنوبر ہے کیا سرو نازن مین

ایضاً

کس قدر یارو ہوا ہو انقلاب
آگیا یارون کے اقرارون مین فرق

خود بتائے گا تعین دور زمان
بے وفاؤن اور وفادارون مین فرق

ان پہ ہم قربان ہین وہ ہم پر نثار
ہے بہت یارو نہین اور یارون مین فرق

ایضاً

گر نہو نیت گدا مین فرق
آئے کیون شاہ کی عطا مین فرق

ہین وفا دار اور بھی۔ لیکن
ہے مری جان وفا وفا مین فرق

اشعار قصیدہ ناتمام

یاد ایام کہ تھی باغ جوانی پہ بہار
نظر آتا تھا خزان مین بھی زمانہ گلزار

نشہ مین چور تھے اک بادۂ پر زور کے ہم
جسکا راحت مین نہ کلفت مین اترتا تھا خمار

سر پہ وہ دیو قوی آکے چڑھا تھا اپنے
یاد تھا جسکا نہ عامل نہ سیانے کو اتار

روکتا تھا جسے خار نہ خندق نہ کنوان
ہم تھے اُس توسن سرکش پہ پریشان سوار

رہتے تھے اس شتر مست کی صورت بے قید
ہاتھ سے جس کے شتربان کے ٹوٹی ہو مہار

پند گو ہوتے تھے جتنے کہ زیادہ دل سوز
اُنکی صحبت سے تھے اتنے ہی زیادہ بیزار

خیر خواہ اور تھے غمخوار مربی جتنے
ان کی صورت سے ہمیشہ ہمین چڑھتا تھا بخار

ملکے جو لیون سے جان مین جان آتی تھی
ہنسنے اور کھیلنے پر زیست کا تھا اپنی مدار

اب امنگین ہین نہ وہ دل مین نہ ترنگین باقی
تیرے اے عمر گئے اب وہ کہان لیل و نہار

صدائے گدایان قوم[1]

ڈھونڈتے خضر مبارک پے کو یان آئے ہین ہم
چھوڑ کر بھٹکا ہوا اک کاروان آئے ہین ہم

ڈر ہے جو خوشدل ہین وہ سنکر ہونہ پژمردہ دل
سخت عبرت خیز لیکر داستان آئے ہین ہم

ہند مین اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چمن
لیکے اُس کا مژدۂ فصل خزان آئے ہین ہم

علم جو زندہ کیا تھا آپکے اجداد[2] نے
آج اُس دُر پرانی کے نوحہ خوان آئے ہین ہم

قوم کو بیٹھی ہے جو عباسیون کی یادگار
جستجو مین اُسکی مشعل لے کے یان آئے ہین ہم

تاکہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا
اسلیے ڈالے گلے مین جھولیان آئے ہین ہم

خود غرض ٹھہرائین یا مکار ہمکو یا گدا
ذلتین یہ سب گوارا کر کے خاطر نشان آئے ہین ہم

فخر سب بیجا ہین اُن کے قوم ہے جنکی ذلیل
فخر و عزت کے نشان کر سب نہان آئے ہین ہم

ہے بنی ہاشم کی مہمان پروری ضرب المثل
اس لیے یان بن بلائے میہمان آئے ہین ہم

تشنگی اپنی بجھانی ہوگی اے آب حیات
لیکے مُنہ مین قوم کی سوکھی زبان آئے ہین ہم

مژدہ قدوم حضور شاہزادہ ویلز در ہند

مژدہ ہو اہل مشرق اب دن پھرے تمھارے
مغرب سے سوے مشرق آیا ہے مہر تابان

گلہ کی اپنے لینے آیا خبر کہان سے
ہے ایسے گلہ بان پر گلہ کی جان قربان

ہندوستان بھی تجھ سے کچھ آجکل نہین کم
اے معدن بزرگی اے خاک انگلستان

تیرے نصیب کا تو کیا پوچھنا ہے لیکن
ہندی بھی آج اپنی قسمت پہ ہین نازان

مہمان ہے آج اُن کا اس شاہ کا ولیعہد
رہتے ہین زمین کے سلطان جسکے ہین مہمان

ف۱ پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند باہمت لوگون نے جنھون نے اپنی جماعت کا نام گدایان قوم رکھا ہے بماہ ... دلیھی
مین چندہ وصول کرنیکے لیے جانیکا ارادہ کیا تھا۔ اُنکا قصد جلسون مین یہ اشعار پڑھنے کا تھا۔ لیکن اتفاق سے جانا نہین ہوا ۱۲

ف۲ چونکہ رئیس بھاولپور بنی عباس ہین اور عباسیون کی خلافت مین علم کو بہت ترقی ہوئی تھی اسلیے یہ مضمون لکھا گیا

شکریہ[1] عطائے مدرسۂ نواب غازی الدین خان مرحوم واقع اجمیری دروازہ دہلی بحضور ہز آنر سر جیمس لائل لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب از طرف طلبائے اینگلو عربی اسکول دہلی

آئیے اے دلی کے دل آرا | شہر دعا گو سب ہے تمہارا
شکر کا ہم کو گو نہیں یارا | پر یہ ہے کہنا فرض ہمارا

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

ہے دلی کے فخر کا یہ دن | شہر میں آیا شہر کا محسن
وصف تمہارا گو نہیں ممکن | رہ نہیں سکتے پر یہ کہے بن

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آپ نے ہم پر بھیجے ہیں افسر | کیسے کیسے رعیت پرور
جن سے ہو ہندستان منور | فخر ہے انگلستان کو جن پر

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آر کلاک احسان کا پتلا | آدمی کی صورت میں فرشتہ
تھا دلی پر فضل خدا کا | تم نے جو دلی میں اسے بھیجا

---

[1] چونکہ یہ نظم صغیر سن طالب علموں کے لیے لکھی گئی تھی تاکہ وہ ہز آنر کے روبرو مجتمع ہو کر بطور کورس کے گا کے پڑھیں اس لیے بچوں کی سمجھ کے موافق نہایت سیدھے سادے الفاظ جمع کر دیے گئے ہیں ۱۲-

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہے گا

آب و ہوا سے شہر کی ساری   آئی تھی خلقت جان سے عاری
تم نے لگا کر نل اک باری   چشمۂ حیوان کر دیا جاری

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہے گا

یوں تو ہیں سب احسان مسلّم   سب سے ہے یہ احسان مقدّم
تھے تعلیم میں کم سب سے ہم   تم نے مدد کی اپنی پیہم

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہے گا

جوبلی کے جو خاص وظیفے   پانچ برس کو ہم کو ملے تھے
لطف سے میعاد اُنکی بڑھا کے   جیت لیے دل آپ نے ہم سے

جب تک شہر آباد رہیگا
نام تمھارا یاد رہے گا

مدرسہ تھا بے ٹھور ہمارا   تھا نہ کہیں ٹکنے کا سہارا
مانگے تانگے پر تھا گزارا   بٹ گیا اب خلجان یہ سارا

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہے گا

آپ کو ہم پر رحم جو آیا   گھر پہ عطا ہم کو فرمایا
حکم مرمت کا بھجوایا   ٹوٹے پھوٹے کو بنوایا

جبتک شہر آباد رہیگا   نام تمھارا یاد رہے گا

درس کے کمرے جتنے ہیں اکثر قدر ضرورت سے کچھ بڑھکر
بورڈروں کے رہنے کو ہیں گھر کھیلنے کو میدان ہین سراسر
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہے گا

شہر میں جا کالج کو عطا کی کیں اصلاحیں آب و ہوا کی
شہر کی جو حاجت تھی روا کی شرط حکومت تمنے ادا کی
جب تک شہر آباد رہیگا
نام تمھارا یاد رہے گا

تم میں ہیں جو جو فضائل وہ نہیں کچھ محتاج دلائل
لوگ سب اسکے دل سے ہیں قائل اور اسرائیل۔ اور اسرائیل
جب تک شہر آباد رہیگا
نام تمھارا یاد رہیگا

اشعار مدرسہ

بحضور سر ڈینس فٹز پٹریک لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب۔ انبالہ کے ایک بانی مدرسہ کی طرف سے

قیصر ہند کے ہیں سیکڑوں احسان جہان اس کا پنجاب پہ ہے سب سے بڑا یہ احسان
حکمران آئے ہیں پنجاب میں ابتک جتنے ایک سے ایک کا پلہ ہے عدالت میں گران
جبکہ سر چارلس نے پنجاب کو چھوڑا۔ اسوقت وقت رخصت تھا ہر اک انکو بحسرت نگران
حال جو ہوتا ہے بچون کا بچھڑ کر ماں سے یہی احوال تھا پنجاب کا بے وہم و گمان
جانشین اُن کے ہوئے آپ جب سر لائل عہد سابق کو گئے بھول سب اپنے زمان
شکر ہے عہدہ بر آ اُسکے نہیں ہو سکتے رحم و انصاف ہوا ذات سے جو آپکی عیان
اُٹھ گیا سر سے جب اس ملک کے سایا ان کا ہاتھ میں آپ نے لی آکے حکومت کی عنان

کارفرما تھے جب اضلاع مین پنجاب کے آپ — معدلت آپکی اسوقت سے مشہور ہے یہان
حیدرآباد مین۔ میسور مین۔ کلکتہ مین — نیکنامی سے کیے کام رہے آپ جہان
ہے یہ اب آپ سے امید کہ پنجاب مین بھی — مشکلین آپ سے سب ملک کی ہونگی آسان
بعد سر لائل و سر چارلس کے سر ڈینس بھی — چھوڑ جائینگے ہر اک دل پہ عقیدت کے نشان

انگریزی اشعار کا ترجمہ

وہ دلربا امیدین جن پر کہ تو ہے شیدا — جب دور تیرے دل سے ہو جائینگی سراپا
وہ عالم جوانی جس پر کہ تو ہے مفتون — جاے گا ٹوٹ جسدم اس کا طلسم سارا
جن دوستون کی خاطر چھوڑا ہے تو نے سبکو — تھا جو کہ تجھکو اپنا آرام دل سمجھتا
چل دین گے جب وہ سارے۔ ان بلبلون کی مانند — بعد از بہار جو پھر کر نہین چمن کا
جب ہو چکے گا آخر یہ عیش کا زمانہ — کون آکے دے گا تجھکو اسکے سوا سہارا
بے مہریون سے تو نے جسکو کیا ہے غمگین — تیری خبر وہی کچھ لے گا تو آکے لے گا
جسطرح وہ پرندہ جو فصل گل مین جاکر — پھر وہ ہم خزان مین آکر ہے ہم سے ملتا

دولت اور وقت کا مناظرہ

ایک دن وقت نے دولت سے کہا — سچ بتا تجھ مین ہے فوقیت کیا
تو ہے سرمایۂ عزت یا مین — تو ہے انسان کی دولت یا مین
ہے زمانہ مین بڑی بات تری — دیکھین ہم بھی تو کرامات تری
وقت سے ہنسکے یہ دولت نے کہا — تجھکو اے وقت نہین عقل ذرا
ہے عجب جسکو خدائی مانے — اس کی تو خوبیون مین شک لانے
منتظر ہے گلشن دنیا مجھ سے — لیتے ہین توشۂ عقبیٰ مجھ سے

نام اقبال ہے آنے کا مرے / لقب ادبار ہے جانے کا مرے
مجھ سے پاتے ہیں ہنر نشو و نما / علم بھی ایک طفیلی ہے مرا
لاکھ رکھتا ہو کوئی فضل و کمال / لاکھ رکھتا ہو کوئی حسن و جمال
خوبیان لاکھ کسی مین ہون مگر / مین نہون تو نہین کچھ قدر بشر
چند روز آگئی مین جس کے کام / زندہ تا حشر رہا اُس کا نام
جس سے مجھ کو نہ سروکار رہا / وہ سدا خوار و نگون سار رہا
مُنھ ذرا جسکو لگا لیتی ہون / اُس کی مین شان بڑھا دیتی ہون
چاہتے ہین مجھے سب خرد و کلان / پھرتے ہین دھن مین مری پیر و جوان
گر نہ ہون مین تو کوئی کام نہ ہو / کسی آغاز کا انجام نہ ہو
کوئی حاجت نہو دنیا کی روا / درمیان گر نہ قدم ہو میرا
ہین رکھائی سے مری سب لرزان / میرے اغماض سے ڈرتا ہے جہان
جس سے دنیا مین نہین راہ کرون / ہو اگر شیر تو روباہ کرون
الغرض ہے وہ مری شان عظیم / کرتے آئے ہین جسے سب تسلیم
جڑ سمجھتے ہین خوشی کی مجھکو / میری عظمت نہین باور تجھکو
تو بتا فخر ہے تجھ مین وہ کیا / جس نے مجھ سے تجھے گمراہ کیا
وقت نے سُن کے کہا اے دولت / شک نہین اسمین ذرا اے دولت
ساری تو خوبیون کی جڑ ہے مگر / اپنی جڑ کی نہین کچھ تجھکو خبر
تو جو اپنے پہ ہے نازان اتنی / اپنی ہستی سے ہے غافل کتنی
کیجیے فرض تجھے گر چشمہ / تو ہون اُس چشمہ کا مین سرچشمہ
مین ہون یا تو ہے اساس امکان / سمجھ لے دریا ہے کہ مچھلی نادان
تو جو کھیتی ہے تو رقبہ مین ہون / تو جو موتی ہے تو دریا مین ہون

ہے قرابہ ترا اگر عطر آگین　　مین ہون اُس عطر کی والعد زمین
ہے عبث تجھکو تفوق کا خیال　　تو ہے گر مال تو مین راس المال
جنکے قبضے مین ہون مین اے دولت　　تجھپہ رکھتے ہین وہ دست قدرت
لاکھ بار اُن سے اگر بھاگے تو　　بڑھکے جا سکتی نہین آگے تو
اُن کی مٹھی مین ہے تو اے دولت　　طائر رشتہ بپا کی صورت
نہ کہ مین جس کا بدل ہے مفقود　　جس کا نایاب ہے عالم مین وجود
کھوکے مجھکو کوئی پاتا نہین پھر　　جاکے ہین ہاتھ سے آتا نہین پھر
ایک پل میری اگر دے تجھے گنوا　　لیجے ہاتھ اُس سے ہمیشہ کو اُٹھا
تو اگر اپنی لٹا دے ثروت　　پل وہ ملتی نہین پھر اے دولت
ہین اسی واسطے جو اہل تمیز　　میری ایک ایک پل ان کو ہے عزیز
میرے جو لوگ کہ ہین قدرشناس　　ہے مرا جاگتے سوتے اُنھین پاس
جانتے ہین حکما و عرفا　　مجکو سرمایۂ دین و دنیا
دل مین جن کے مری کچھ قدر نہین　　اُنکی قسمت مین نہ دنیا ہے نہ دین
نہ کوئی کام ہو اُن سے انجام　　نہ ارادہ ہو کوئی اُن کا تمام
نہ اُنھین دین کی دولت ہاتھ آئے　　اور نہ دُنیا کبھی اُن سے بنپائے
نہ ادا صوم ہو اُن سے نہ صلوٰۃ　　نہ ہو قدرت مین حج ان کی نہ زکوٰۃ
نہ مدد اُن سے کچھ اپنی کی جائے　　نہ خبر اُن سے کسی کی لی جائے
گُن تو ہین مجھ مین بہت اے دولت　　ہے مگر تنگ مجال فرصت
بس زیادہ نہین مہلت مجھ کو　　بحث کی اب نہین طاقت مجھ کو

اس مین ہے میرا سراسر نقصان
کہ ہے انمول مری ایک اک آن

ناقصون کے دعوے کاملون کے سامنے فروغ نہین پاتے

ہے لیاقت جنھین کچھ بقدر قلیل — اور سمجھتے آپ کو ہین بے بدیل
اُن کو ایسون سے نہین ملنا روا — جو لیاقت رکھتے ہین اُن سے سوا
اونٹ اگر سمجھے بڑا اپنے تئین — دیکھنا لازم پہاڑ اسکو نہین
سر مین ہے جگنو کے یہ سودا اگر — شے نہین مجھ سے کوئی تابندہ تر
چاہیئے دن کو نہ نکلے زینہار — ورنہ ہوگا اپنے جی مین شرمسار

قطعات تاریخ اور تاریخی جملے مقتبس از قرآن مجید

راقم کو فی الواقع مادۂ تاریخ نکالنے کا ڈھب نہین ہو۔ اور اگر کبھی ایسی ضرورت پیش آئی ہو تو نہایت دقت سے اکثر تخرجہ یا تعمیہ کے ساتھ اور کبھی حسن اتفاق سے بغیر اسکے بھی تاریخ سرانجام ہوئی ہو بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہو کہ مادۂ تاریخ کسی دوست نے نکال دیا اور اسپر صرف مصرعے لگا کر تاریخ کے مالک بن بیٹھے لیکن چونکہ غلطی سے تاریخ گوئی کو جزو شاعری سمجھا گیا ہو اسلیے اکثر طوعاً و کرہاً یارون کی فرمایش سے اور کبھی کبھی اپنی اُپج سے بھی تاریخین لکھنی پڑی ہین ایک بزرگ کے پاس لوگ اکثر تعویذ گنڈے کے لیے آیا کرتے تھے۔ ایک روز فرمانے لگے کہ عباسیون کے عہد مین ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ لوگ ایک قفل کو بند کر کے اسکے پاس لے گئے کہ اگر فی الواقع تو خدا کا بھیجا ہوا ہو۔ تو یہ قفل بغیر کنجی کے کھولدے۔ اُس نے کہا بھائی مین نے نبوت کا دعویٰ کیا ہو۔ آہنگری کا دعویٰ نہین کیا۔ انکا مطلب اس نقل سے یہ تھا کہ ہمنے خدا کی طلب مین درویشی اختیار کی تھی یہ معلوم نہ تھا کہ تعاویل اور سیانا بھی بننا پڑے گا۔ یہی حال ہمارے ملک مین اُن لوگون کا ہو جو شاعری مین بدنام ہین۔ اگر تو کسی مصرف کے سمجھے نہین جاتے اور درحقیقت ہین بھی نہین البتہ لوگون کی غرض کبھی کبھی اُن سے اس وقت متعلق ہو جاتی ہو جب کوئی مہتم بالشان واقعہ ظہور مین آتا ہو مثلاً کسی اصطبل کی مرمت ہوئی۔ یا گھوڑا آختہ کیا گیا۔ یا کسی کی مینا مر گئی۔ یا مرغ پالی جیتا۔ یا بڑی نے بچے دیے ایسے وقت مین شعرا کو مقابلہ کے امتحان کا موقع مل جاتا ہو جو شخص مادۂ تاریخ فی الواقع یا صاحب فرمایش کے نزدیک سب سے اچھا نکال لاتا ہو اس کو الخیلہ اقصیار طرحیتا

راقم چونکہ تاریخ نکالنے مین سدا سے ہیٹا تھا اِس لیے ہمیشہ اِس امتحان سے کترا تا رہا۔ لیکن بُری بھلی چند تاریخین جو کبھی کبھی دوستون یا بزرگون کی فرمایش یا اپنے دل کی خواہش سے لکھی تھین ان مین سے جسقدر سردست بہم پہنچین دیوان مین شامل کر دی گئین تاکہ دیوان کے ضروری اخلاط مین سے ایک خلط کم ہو جائے۔

تاریخ وفات مرزا غالب مرحوم دہلوی

غالب نے جبکہ روضۂ رضوان کی راہ لی — ہر لب پہ آہ سرد تھی ہر دل مین درد تھا
اُسدن کچھ اہل شہر کی افسردگی نہ پوچھ — دُنیا سے دل ہر اپنے پرائے کا سرد تھا
حالی کہ جسکو دعوی تمکین وضبط ہے — دیکھا تو دل پہ ہاتھ تھا اور رنگ زرد تھا
تھا گو وہ اِک سخنور ہندوستان نژاد — عرفی و انوری کا مگر ہم نبرد تھا
اِس قافلہ مین آکے ملا گو وہ سب کے بعد — اگلون کے ساتھ ساتھ مگر رہ نورد تھا
ہم اور صبح وشام یہ اندوہ جان گزا — دل تھا کہ فکر سال مین بے صبر کرد تھا
ناگاہ دی یہ غالب مرحوم نے صدا — رہیج ہے کہ خواجہ راہنمائی مین فرد تھا
تاریخ ہم نکال چکے پڑھ بغیر فکر — "حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"
۱۲۱۱ — ۲۷۹۶

تاریخ وفات محمد ابراہیم جوان مرگ طالب علم بی۔ اے کلاس دہلی کالج

محمد براہیم چون ترک جان گفت — ز نخل جوانی ثمر بر نخورده

سلہ یہ تاریخ غالب مرحوم کی غزل کے ایک مصرعے سے نکالی گئی ہے۔ اُن کی غزل کا مقطع یہ ہے "یہ لاش بے کفن اسد خستہ تن کی ہے + حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا" اخیر مصرعے کے اعداد ۲۷۹۶ ہوتے ہین جب ان مین سے لفظ تاریخ کے عدد ۱۲۱۱۔ اور لفظ فکر کے عدد یعنی ۳۰۰ کا تخرجہ کیا گیا تو ۱۲۸۵ باقی رہے اور یہی ان کا سال وفات ہے مختصر صورت تاریخ کی یہ ہوئی ۲۷۹۶ – (۱۲۱۱ – ۳۰۰) = ۱۲۸۵ھ –

بگفتم زروے الم سال فوتش — بجان آفرین جان شیرین سپرده
۱۲۹۲ + ۱ = ۱۲۹۳ھ

تاریخ وفات سید خواجہ ناصر وزیر مرحوم دہلوی

جب ہوے ناصر وزیر راہی ملک بقا — سب اندوہگین شہر کے برنا و پیر (ہوئے)
دل نے کہا ہر جگہ چھپتی ہے چیز اک جدا — باغ مین نسرین و گل چرخ پہ مہر منیر
عیش مین شعر و غزل سوگ مین تاریخ مرگ — غیب سے آئی ندا "خلد مین ناصر وزیر"
۱۲۹۸ھ

تاریخ طبع جغرافیہ بیمثال مؤلفہ خواجہ سید شہاب الدین حسن صاحب دہلوی

وہ جغرافیہ جس کی تھی احتیاج — چھپا مژدہ اے طالبان کمال
نئی طرز کا ہے یہ جغرافیہ — عیان جس سے ہے ربع مسکون کا حال
ملی طرفہ تر اس کی تاریخ طبع — وہ خود طرفہ ہے جیسے بے قیل و قال
اگر سال ہجری کی ہے جستجو — تو جغرافیہ خود بتاتا ہے سال
۱۲۹۹ھ
ہو مطلوب تاریخ گر عیسوی — کہو اس کو جغرافیہ بے مثال
۱۸۸۲ع

تاریخ بہ پایان رسیدن بنائے سید مہربان علی مرحوم رئیس گلاوٹھی در بلند شہر

علی آن سیدے والا کہ باشد — بنامش مہربان جزوے ز اجزا
بود با ذات او توام سیادت — چنان کز نام او مہرست پیدا
چو این کاشانہ را بنیاد بنہاد — بعہد حاکم بیدار و دانا
گروس آن منش گستر کہ جودش — شد این معمورہ چون گلشن سراپا
چنین گفتمش حالی سال تعمیر — مکان بے نظیر آباد بادا
۱۲۹۹ھ

تاریخ اورنگ نشینی حضور آصف جاہ نظام الملک میر محبوب علی خان بہادر فرماں روائے ملک دکن

بہ سالِ فرخ و ماہِ سعید و روزِ فرخندہ — نظام الملک محبوبِ علی خان آصفِ ثانی
بہ تختِ سلطنت بنشست حالی گفت تاریخش — برائے وی مبارک تاج و اورنگِ جہانبانی
۱۳۰۱ھ

تاریخ تالیف قواعد اُردو مؤلفہ خواجہ شہاب الدین حسن صاحب دہلوی

قواعد ہے یہ اردو کی کہ جس کا — بیان شافی ہے اور ترتیب محکم
کتابیں اس سے پہلے تھیں بہت سی — زیادہ حجم میں اور نفع میں کم
مگر یہ مختصر ہے اک رسالہ — کہ ہیں جس میں قواعد سب فراہم
وجود اس کا ہے گو سب سے مؤخر — یہ خوبی میں ہے سب سے اکثر سے مقدم
جو قیمت پوچھیے تو ہے بہت سہل — نہ دینار اس میں لگتے ہیں نہ درہم
اگر نام اس کا تاریخی ہو مطلوب — تو ہے اے طالبو "اکسیرِ اعظم"
۱۳۰۲ھ

تاریخ رحلت نواب ضیاء الدین احمد خان مرحوم دہلوی

در داکہ ضیاء دین احمد بربست[۱] — رخت سفر از جہان کہ جای الم ست
از طاق و ز ایوان و ز بزم و جلسا — بگسستہ بہ رحمت الٰہی پیوست
۶۹۴

۱؎ یہ تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ ۹۲۹ میں سے جو کہ ضیاء دین احمد کے اعداد ہیں ۳۲۱ جو کہ طاق، ایوان، بزم، اور جلسا کے اعداد کا مجموعہ ہے تفریق کر کے باقی یعنی ۶۰۸ کو ۶۹۴ میں جو کہ رحمت الٰہی کے اعداد ہیں ملانے سے ۱۳۰۲ حاصل ہوتے ہیں اور یہی نواب مرحوم کا سال وفات ہے مختصر صورت تاریخ کی یہ ہے ۹۲۹ – (۱۱۰ + ۶۸ + ۴۹ + ۹۴) = ۶۰۸ + (۶۹۴) = ۱۳۰۲ھ

تاریخ طبع دیوان منشی اقبال حسین صاحب متخلص به عاشق

جوان مرد آزاده عاشق که نیست   درا قران خود کس مراورا قرین
نه صیاد دهواره از حسن خلق   پئے صید آزادگان در کمین
نه سحار و پیوسته ز افسون نطق   کشد ز آشیان باز و شیر از عرین
همے بار و از جبهه اش انبساط   اگر مهربان ست و گر خشمگین
نه بینیش گه سر که برابروان   نه یابیش افتاده چین بر جبین
دو سال ست کافسون مهر و وفاش   ربودست صبرم ز جان حزین
ولے دیر پیوند نا آشنا   که بودست فارغ ز مهر و ز کین
ندانم که عاشق چه افسون دمید   که در باخت خود را بمهرش چنین
سر رشته بهیات دادم ز دست   سخن ز آسمان بود رفت از زمین
کنون رانم از طبع دیوان سخن   که شد جلوه فرما به نوعے گزین
درین روزها کز صرورت زمان   سخن شد مهان و سخنور رهین
عروس سخن می نیرزد بجو   به حسن ار بود غیرت حور عین
صد آباد بر عاشق و عزم او   که در دور ناسازگاری چنین
ز معنی به بیگانه و آشنا   فشاندست گنجینه از آستین
چو دیوان اردوی عاشق که هست   صنمخانهٔ طرفه گفتی ز چین
به پیرایهٔ طبع آراستند   شنیدند از هر کنار آفرین
سخن گرش نبود از رشے در جهان   ز شادی نه گنجید در پوستین
چو حالی همے جست تاریخ طبع   صنمخانهٔ عاشق آمد سنین

۱۳۰۷ھ

تاریخ بنائے چاہ در محوطۂ مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علی گڈھ

بحساب سال بعثت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم

بحُسن سعی جناب آنریبل سر سید احمد خان بہادر

ہدایت کیجیے اگر سال ہجرت کی محرم سے
تو کہیے سال بعثت کا مہ شوال کو مبدا

کلام اللہ اُترا آخرِ ماہِ مبارک میں
ہوا اس واسطے شوال مبدا سال بعثت کا

نکالے یہ مبارک سن جناب سید احمد نے
بنایا جس نے دار العلم کا یہ چشمۂ زیبا

زروئے سال بعثت چونکہ تھی تاریخ کی خواہش
کہا ہاتف نے حالی سے کہ "چشمہ فیض احمد کا"

۱۳۱۲ھ

تاریخ طبع ترجمہ تاریخ دربار قیصری بحساب سال عیسوی

پنجاب کے ادارۂ تعلیم عام نے
ایک اور کام ملک کے حق میں کیا ہے خوب

دربار قیصری کی جو تاریخ تھی چھپی
اب ترجمہ اسی کا مرتب ہوا ہے خوب

ہیں لفظ دلکشا تو مضامین ہیں دلنشین
ہے ترجمہ نفیس تو طرز ادا ہے خوب

چھپ کر ہوا تمام تو حالی نے یوں کہا
"دربار قیصری کا مرقع چھپا ہے خوب"

۱۸۸۳ع

تاریخ بنائے مہمان سرا در موضع مون واقع پنجاب بحساب سال عیسوی

بحر کرم آن وزیر چند کہ باقی ست
نام بزرگان مون زبذل ونوالش

ساختہ منزل گہے چو بہر غریبان
تکیہ گہ ہر غریب آمدہ سالش

۱۸۷۷ع

تاریخی جملے مقتبس از قرآن مجید

تاریخ وفات غفران مآب نواب محمد مصطفٰے خان مرحوم مولوی رئیس جہانگیر آباد متخلص بہ حسرتی و شیفتہ

جَزٰاهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنّٰتٍ وَّحَرِيْرًا

آیۂ قرآنی میں بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ہے۔ چونکہ تاریخ وفات میں ایک عدد کی کمی ہوتی تھی اس لیے جنۃ کی جگہ جنّات کر دیا گیا ہے جیسا کہ نواب آصف الدولہ کی مشہور تاریخ میں بجائے فروحٌ وریحان وجنت نعیم کے ھهنا روح وریحان وجنات النعیم کر دیا ہے۔
چونکہ نواب مرحوم نے مرض الموت میں مرض کے شدائد و آلام بے نظیر صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کیے تھے اس لیے اس آیت کا مضمون اُن کی وفات کے نہایت مناسب تصور کیا گیا یعنی جناب باری نے بعوض اُنکے صبر کے بہشت اور بہشت کا لباس اُنکو عنایت کیا۔

تاریخ وفات نواب محمد نقشبند خان مرحوم ولد اوسط نواب محمد مصطفٰے خان مرحوم رئیس جہانگیر آباد

وَحُلُّوْا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ

۱۲۹۴ھ

چونکہ عزیز موصوف ایک وجیہ و شکیل آدمی تھے اور اُن کی وفات عنفوان شباب میں واقع ہوئی تھی اس لیے یہ آیت اُن کی تاریخ وفات کے لیے نہایت مناسب اور موزون سمجھی گئی۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت کے ذکر میں ارشاد فرماتا ہے کہ "پہنائے گئے اُن کو چاندی کے کنگن"۔ بجائے مضارع کے ماضی کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ گویا اُن کی مغفرت ہو چکی۔ اور اہل جنت کے تمام حقوق اُن کو مل چکے۔

یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں کی تاریخ وفات قرآن مجید سے برآمد ہوئی اور پھر ایک ہی سورت یعنی سورۂ دہر سے نکلی اور دونوں تاریخیں اہل جنت ہی کے ذکر میں واقع ہوئی ہیں۔

تاریخ بنائے آئینہ خانہ در ریاست بھاولپور

کَاَنَّہٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنَ الْقَوَارِیْرُ

۹۶ ۱۲ ہجری

قرآن مجید میں اصل آیت "اِنَّہٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ" ہے تاریخ میں بضرورت تکمیل اعداد اور نیز بمقتضائے مقام اِنَّہٗ کی جگہ کَاَنَّہٗ کر دیا گیا ہے مگر چونکہ اس سے بھی اعداد پورے نہیں ہوتے تھے اس لیے قواریر میں الف لام بڑھا کر القواریر کر دیا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں جب سبا کی بادشاہزادی بلقیس اول ہی دفعہ وارد ہوئی تو اُس کو شیش محل کے صحن پر جس میں آئینے لگے ہوئے تھے یہ گمان ہوا کہ گویا پانی بھرا ہوا ہے۔ اُس نے فوراً پائنچے چڑھا لیے حضرت سلیمان نے کہا "اِنَّہٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ" یعنی یہ تو ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ تاریخ بنا میں اِنَّہٗ کی جگہ کَاَنَّہٗ کر دینے سے یہ معنی ہو گئے کہ گویا یہ وہی سلیمانؑ کا شیش محل ہے۔

یہ تاریخ ایک دوست کی فرمائش سے جو اُس وقت بھاولپور میں ملازم تھے بھیجی گئی تھی مگر ایسا سنا گیا تھا کہ پسند نہیں آئی۔ شاید اس لیے کہ اس میں دو جگہ اپنی طرف تصرف کیا گیا ہے یا اس لیے کہ نواب صاحب کا نام اُس میں نہیں تھا۔

تاریخ ولادت فرزند در حرم سرائے نواب آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ

۱۳۰۰ھ

اس آیت سے سنین مطلوبہ یعنی ۱۳۰۰ھ اسطرح نکلتے ہین کہ آیت کے جملہ اولی یعنی "حاش للہ ما ھذا بشرا" کے اعداد ۱۶۵۴ ہین۔ ان مین سے ھذا کا تخرجہ اور ملک کریم کا تجاہ اسکے تعمیہ کرنے سے ۱۳۰۰ حاصل ہوجاتے ہین۔

تخرجہ و تعمیہ کا اشارہ گویا ان ھذا الا ملک کریم سے نکلتا ہی کیونکہ اس جملے کا ترجمہ اگر یون کیا جاے کہ نہین ہی "ھذا" مگر "ملک کریم" تو اس سے یہ مطلب مستفاد ہوگا کہ اوپر کے جملے مین "ھذا" کی جگہہ "ملک کریم" رکھدو اور اسی طرح ۱۳۰۰ حاصل ہوجاینگے

اصل آیت مین حاش للہ ہی بضرورت لام اضافہ کرکے لحاش کردیا گیا ہی۔ آیت کا ترجمہ یہ ہی (حاشا للہ یہ بشر نہین ہی یہ تو ہو نہو کوئی معزز فرشتہ ہی) جو عورتین زلیخا کی فریفتگی پر اُس کو ملامت کرتی تھین جب حضرت یوسف علیہ السلام دفعتاً اُن کے سامنے آئے تو اُس وقت جو الفاظ اُن کے مُنھ سے نکلے تھے اُن کو قرآن مین اسطرح نقل کیا گیا ہی۔

تاریخ وفات حسین برادر راقم جناب خواجہ امداد حسین مرحوم متخلص مظہر

سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

۱۳۱۳ھ

یہ تاریخ برادر زادہ راقم حافظ اخلاق حسین سلمہ اللہ تعالی نے اپنے والد مرحوم کی وفات سے چند روز بعد عین تلاوت کے وقت قرآن مجید سے اقتباس کی تھی جس سے بے کم و کاست سال وفات برآمد ہوتا ہی چونکہ یہ مادہ ندرت سے خالی نہ تھا اسلیے بوجہ اتحاد کے اپنی تاریخون

کے ساتھ اس تاریخ کو بھی شامل کرلیا گیا ہے یہ تاریخ برادر مرحوم کے سنگ مرقد پر جو کہ دلّی میں حضرت خواجہ باقی اللہ قدس سرہٗ کے جوار رحمت میں واقع ہے کندہ ہے

قطعات تاریخ از نتائج طبع جناب خواجہ امداد حسین مرحوم متخلص بہ مظہر

چونکہ برادر مرحوم کی بہت سی تاریخوں میں سے یہ چند قطعے باقی رہ گئے تھے اور انکی اشاعت کے لیے کوئی اور موقع نہ تھا اس لیے بطور یادگار اُن کو بھی اپنے دیوان میں شامل کرلیا گیا ہے

تاریخ وفات جناب مولانا قلندر علی زبیری پانی پتی غفر اللہ لہٗ متخلص بہ عالم

آن قلندر علی وحید زمان | در نجابت زبیری و سندی
خاک پانی پت از سکونت او | در جہان شد علم بہ مستندی
مرد با خویش برد حکمت و علم | ماند خلقے بہ کوسئے نابلدی
جز دل او کہ بود جملہ صفا | نقد ہر کیسہ جید ست و ردی
جز کتابش[1] کہ بد ہمہ حسنات | درج ہر نامہ نیکی ست و بدی
گفت سال وفات او مظہر | رفت عالم[2] بہ جنت ابدی
۱۲۹۳ھ

تاریخ وفات حافظ سعد اکبر مرحوم بانی مدرسۂ اسلامیہ پانی پت

چو سعد اکبر آن یاری گر قوم | کہ مر اہل وطن را بود یاور
سوئے جنت زدینا رخت بربست | ازین غم تافت دلہا ہمچو آذر
دریغ آن نیک خواہ جملہ احباب | دریغ آن غمگسار پیر برادر

[1] کتاب سے مراد نامۂ اعمال ہے ۱۲
[2] مولوی قلندر علی مرحوم عالم تخلص کرتے تھے ۱۲

دریغ آن درسگاہ اہل اسلام — کہ ماند از مرورش بے برگ و بے بر
چنین سال وفاتش یافت مظہر — شدہ جنت مقام سعد اکبر ۱۳۰۰ھ

تاریخ اورنگ نشینی حضور نواب آصفجاہ نظام الملک میر محبوب علیخان بہادر دام اقبالہ فرمان روائے دکن

شاہ دکن چون نہاد حسب مراد عباد — افسر دولت بہ فرق پاپے براورنگ داد
سال جلوسش خرد گفت کہ بے سر شدہ — فتنہ و فسق و فجور شر و فریب و فساد ۱۳۰۰ھ

ایضاً

عیان شد چو عید جلوس نظام — بسے خوشتر از عید وصل حبیب
خرد فرق اعدا تراشیدہ گفت — کہ "نصر من اللہ و فتح قریب" ۱۳۰۰ھ

تاریخ ولادت فرزند ارجمند درکاشانۂ اقبال حضور نظام دام اقبالہ

شد چو خورشید شرف طالع بمشکوے نظام — قدسیان گفتند شمع ملک و دولت آمدہ
مظہر اندر فکر تاریخ ولادت رفتہ بود — عقل گفت این لعل از کان شرافت آمدہ ۱۳۰۱ھ

تاریخ مدار المہامی نواب میر لائق علیخان مرحوم در سرکار عالی

دوش کردم ز عقل چند سوال — کوست حلال مشکلات و عقد
گفتمش کیسے بود کہ شاہ دکن — بنشیند بہ مسند اب و جد
گفت جشن جلوس فرخ او — در ہزار است و سی صد است و احد
گفتمش پس کہ باشدش دیوان؟ — قرعہ بر لائق علی خان زد

گفتمش سنگہا درین راہ است
گفت زودا کہ حق بہ خواجہ رسد

گفتمش خواجہ کے شود دیوان؟
گفت "حق میرسد بمرکز خود"

۱۳۰۱ھ

تاریخ بنا و مرمت مسجد مولانا حاجی ابراہیم حسین صاحب انصاری اثنا عشری پانی پتی دام ظلہم العالی

جعفری مذہبے[1] بنا فرمود
بیت حق را کہ اعظم ست و قدیم

خبرش داد ملہم صادق
کرد تعمیر کعبہ ابراہیم

۱۳۰۰ھ

---

[1] بانی مسجد یعنی مولانا ابراہیم حسین صاحب کے والد کا نام اعظم علی اور اُن کے چچا کا نام جعفر علی اور دادا کا نام صادق علی یہ تینون نام اور خود بانی کا نام قطعۂ تاریخ مین نہایت خوبی سے آیا ہے ۱۲

تمت بالخیر